(رُوح وقالب)

کائنات کا دائرہ اوّل (عالم ارواح)
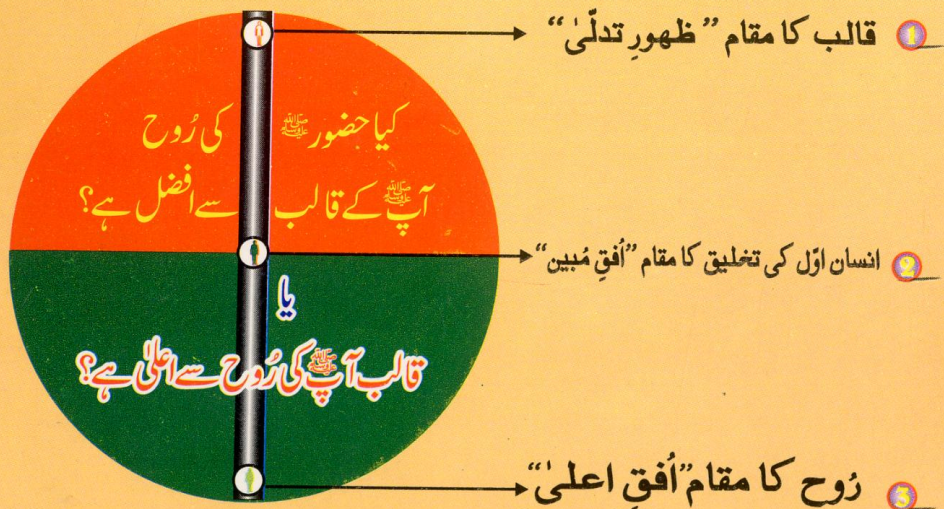
1۔ قالب سے مراد "تدلّی" ہے۔ تدلّی کا معنی: کسی اعلیٰ کا ادنیٰ کی طرف نزول کرنا ہے

2۔ رُوح سے مراد "دنا" ہے۔ دنا کا معنی: کسی ادنیٰ کا اعلیٰ کی طرف صعود کرنا ہے

3۔ انسان اوّل کی تخلیق .... رُوح وقالب .... کے ملاپ سے مقام "اُفقِ مُبین" پر ہوئی

فضل احمد حبیبی

بسمہٖ تعالیٰ

کیا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی

روح آپ کے قالب سے افضل ہے؟

یا

قالب آپ کی روح سے اعلیٰ ہے؟

اِستفتا

اِستفتا میں درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قالب اور روح کے الگ الگ اور انوکھے کمالات زیر بحث لائے گئے ہیں...... جو فیصلہ طلب ہیں کہ ان میں سے کون افضل و اعلیٰ ہے۔ لہٰذا عرب و عجم کے ہر مکتبہ فکر کے علماء، مفکرین، محققین اور سکالرز حضرات سے مودبانہ گزارش ہے کہ اپنا فتویٰ (تحقیق) جاری کریں...... سب سے عمدہ فتویٰ صادر کرنے والے محترم کو ہزار اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار روپے کی رقم نقد بطور انعام پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

نام کتاب	....	چیلنج (روح وقالب)
مصنف	....	فضل احمد حبیبی
کمپوزنگ	....	رفاقت علی
		(فراز کمپوزنگ سنٹر' اردو بازار لاہو)
پروف ریڈنگ	....	محمد عبدالستار طاہر
صفحات	....	96
تعداد	....	100
ناشر	....	نور علی نور اکیڈمی ۔ گجرات
ٹائٹل ڈیزائن	....	وقاص انور
اہتمام	....	مکتبہ رضوان
		داتا گنج بخش روڈ' لاہور
مطبع	....	محمود احمد پریس' لاہور
قیمت	....	-/50 روپے

ملنے کا پتہ

نورٌ علٰی نور اکیڈمی معرفت

علی میڈیسن ٹریڈرز D/8 گوہر پلازہ جی ٹی روڈ' گجرات فون: 525558

مکتبہ رضوان

داتا گنج بخش روڈ' لاہور فون: 7115761

فہرست

عرضِ مؤلف

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اقوام عالم ہمہ وقت اس کوشش میں مصروف نظر آتی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ان کو یہ راز معلوم ہو جائے کہ کائنات کب ...... اور ...... کس طرح معرضِ وجود میں آئی تھی۔ اور کب تک قائم رہے گی۔ تاکہ کائنات کی عمر کا اندازہ کر کے اس کی عمر کے مطابق منصوبہ بندی کر سکیں۔

مگر کائنات اتنی بڑی ہے کہ اگر پوری دنیا کے سائنسدان اکٹھے ہو کر اپنی عقل وفکر سے اس کو علمی طور پر بھی احاطہ (CAPTURE) کرنا چاہیں تو ایسا نہ کر سکیں گے۔ جب تک کوئی الہامی کتاب ان کی رہنمائی نہ کرے گی۔

قرآن کریم۔ ایک الہامی کتاب ہے۔ جس میں کائنات کی تخلیق کے سربستہ راز بھی درج ہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ جس مقدس ہستی پر یہ کتاب نازل کی گئی ہے۔ اس کا ''وجود'' ہی ''مصدرِ کائنات'' ہے۔ اور وہ وجود دو چیزوں یعنی روح اور قالب کا جامع ہے۔

ایک عام قاری کے لئے یہ انکشاف شائد باعث تعجب ہو بلکہ حیرت انگریز بھی ہو کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے جو سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔ نیز ہر ماہ چاند چودہ دنوں میں تشکیل پاتا ہے اور چودہ دنوں میں تحلیل ہو جاتا ہے اور چاند کی تخلیق کی رفتار کائنات کی تخلیق کی رفتار پر ایک قوی دلیل ہے۔ کہ کائنات کی عمر بھی چودہ کے عدد پر تقسیم ہونے والی ہے۔

کائنات کی تخلیق کا ظہور میں آنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح اور قالب کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ جس کی تفصیل زیرِ نظر کتاب میں بیان کی گئی ہے۔

☆ کیا ...... ؟ ہم نہیں جانتے کہ ...... حضرت اسرافیل علیہ السلام ...... اپنی پہلی پھونک سے کائنات کی بساط کو لپیٹ دیں گے ...... پھر دوسری پھونک سے ازسرِنو کائنات کا دسترخوان بچھا دیں گے۔

☆ کیا ...... ؟ ہم نہیں جانتے کہ ...... مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

جس کا مفہوم یوں ہے ایک بار سبحان اللہ پڑھنے سے جنت میں ایک درخت پیدا ہو جاتا ہے...... ایک بار الحمدللہ پڑھنے سے ایک درخت لگا دیا جاتا ہے...... ایک بار اللہ اکبر پڑھنے سے ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔

جب حضرت اسرافیل علیہ السلام اور ایک عام بنی نوع انسان کی پھونک سے کائنات میں تخلیق و تحلیل کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے۔ تو اس میں تعجب اور حیرت کی کونسی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح اور قالب کے کسی عمل سے کائنات کی تخلیق بطور معجزہ ظہور میں آ جائے۔

چنانچہ اس عظیم معجزہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح اور قالب کی ارفع اور اعلیٰ شان کو بیان کرنے کی خاطر ایمان افروز بحث کو شروع کیا گیا ہے کہ کیا روح قالب سے افضل ہے یا قالب روح سے اعلیٰ ہے۔؟

میاں فضل احمد حبیبی

استفتاء کی شرائط

1- فتویٰ کاغذ کی ایک طرف لکھا ہوا ہو۔

2- صفحہ کی دونوں طرف فائل کرنے کے لئے جگہ خالی رکھی جائے۔

3- فتویٰ لکھنے کی تاریخ ضرور لکھی جائے۔

5- اپنا پتہ صاف اور کھلا کھلا لکھا جائے۔

6- فتویٰ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں۔

7- بذریعہ رجسٹری فتویٰ ارسال کیا جائے۔

8- فتویٰ کو درجہ ذیل پتہ پر ارسال کیا جائے۔

محمد رمضان مفتی

معرفت علی میڈیسن ٹریڈرز D/6 گوہر پلازہ

جی ٹی روڈ۔ گجرات
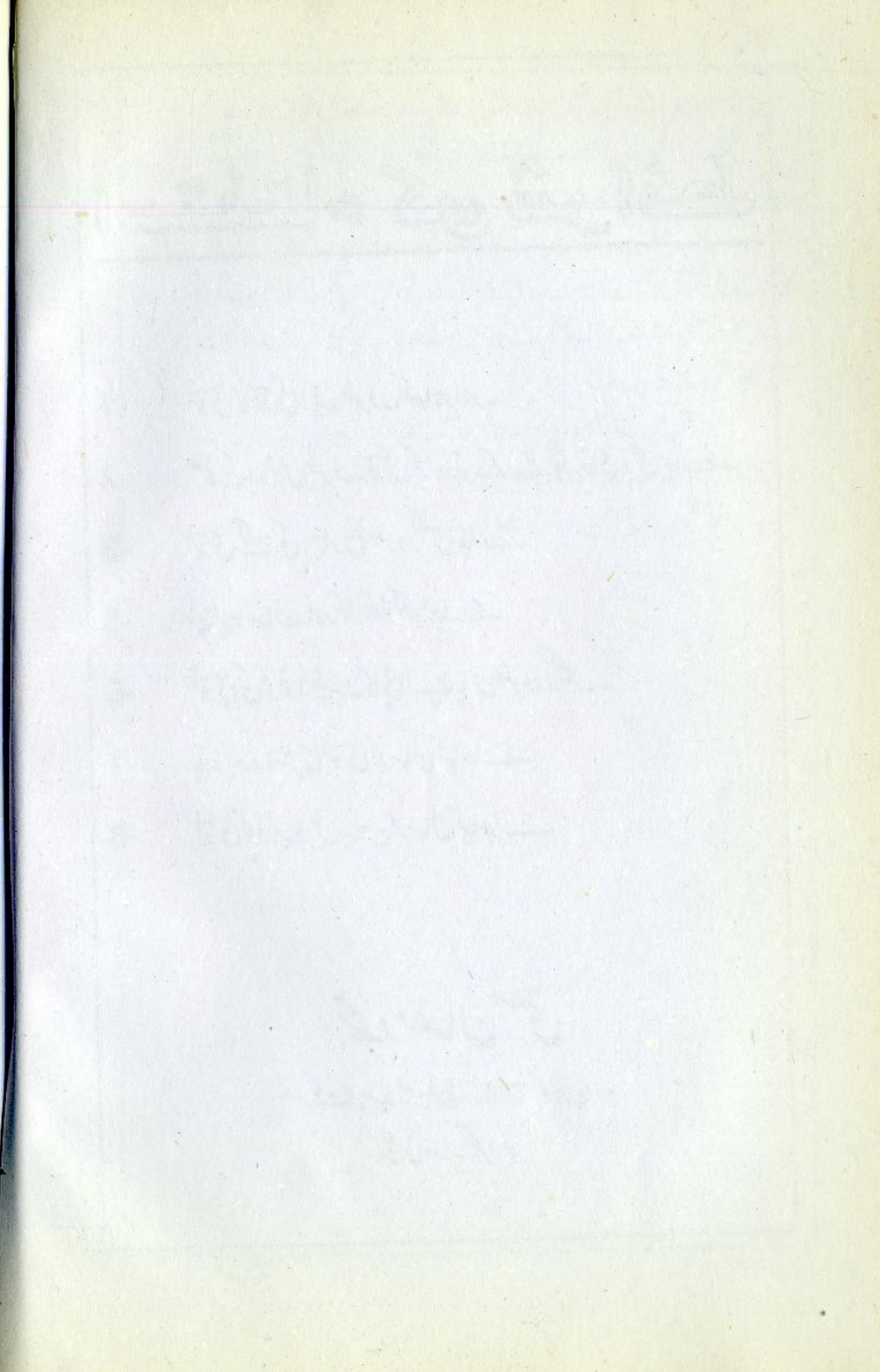
قالب کے روح سے افضل ہونے کے حق میں دلائل:

قالب کے حق میں دلائل بیان کرنے سے پہلے مختصر تمہید لکھی جاتی ہے تاکہ دلائل کو اچھی طرح واضح کرنے میں معاون ہو۔

تمہید:

جب کائنات کی تخلیق پر غور کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پہلے عالمِ ارواح کو پیدا کیا گیا' اس کے بعد عالمِ اجسام کو پیدا کیا گیا...... عالمِ ارواح ایک دائرہ کی صورت میں اوپر کی جانب واقع ہے...... اور عالمِ اجسام اس کے نیچے کی طرف ایک دائرہ کی صورت میں واقع ہے...... ان کی تخلیق کس طرح ہوئی' مختصراً حال یوں ہے:

روح:

ایک نوری وجود ہے۔ جو فضا میں ایک ایسے مقام پر قیام پذیر تھا جس کا نام ''افق اعلیٰ'' ہے...... روح نے افق اعلیٰ کے مقام سے جب بلندی کی طرف عروج کرنا شروع کیا

قالب:

تو اوپر کی طرف سے قالب جو (جلوہ صفات کا مجموعہ ایک نوری وجود ہے) ایک ایسے مقام سے نیچے اترنے لگا' جس کا نام ''ظھور تدلّی'' [1] ہے...... جب دونوں نوری وجود ایک دوسرے کی طرف بڑھتے بڑھتے باہم مل گئے یعنی قالب نے روح کو اپنے اندر ڈھانپ لیا...... یا یوں کہہ لیں کہ روح نے اپنے قالب کو اوڑھ لیا' تو روح قالب میں چھپ گیا۔ جب روح اور قالب دونوں مل گئے تو اس طرح عبد (انسان) ظہور میں آ گیا۔ جس مقام پر دونوں کا باہم وصال ہوا...... اس مقام کا نام ''افق مبین'' ہے۔ [۲]

قالب کو روح سے اعلیٰ اور روح کو قالب سے ادنیٰ کہا گیا...... قالب اوپر سے

1: تدلّی کا معنی ہے کسی اعلیٰ کا ادنیٰ کی طرف نزول کرنا۔ یہاں تدلیٰ سے مراد قالب ہے دنیٰ کا معنی ہے کسی ادنیٰ کا اعلیٰ کی طرف صعود یا عروج کرنا' بلند ہونا...... یہاں دنیٰ سے مراد روح ہے۔

۲۔ (سفر تخلیق صفحہ 180)

نیچے کی طرف آیا تھا......روح نیچے سے اوپر کی جانب گیا تھا۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ تدلّٰی کا معنیٰ ''قالب'' کس بنیاد پر تجویز کیا گیا ہے...... جس کا جواب یہ ہے:

چونکہ عالم ارواح اوپر ہے اور عالم اجسام نیچے ہے......اور عالم اجسام عالم ارواح کا عکس معکوس ہے۔ جس کو مثال سے واضح کیا جاتا ہے:

مثال:

جس طرح کوئی شخص شفاف پانی پر کھڑا ہو تو اس کا عکس پانی میں الٹا نظر آتا ہے۔ اسی طرح عالم اجسام بھی عالم ارواح کا الٹا عکس ہے......گویا جو کچھ عالم ارواح میں واقع ہے' عالم اجسام میں اس کا الٹ پایا جاتا ہے۔ جس سے درج ذیل باتیں اخذ ہوتی ہیں:

1- عالم اجسام میں حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کو نیچے کرہ ارض سے اٹھا کر اوپر عرش پر لے جایا گیا تھا......اور عالم ارواح سے روح کو نیچے لا کر اس میں داخل کیا گیا تھا...... جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ عالم اجسام عالم ارواح کا عکس معکوس ہے۔

2- اگر عالم ارواح میں تدلّٰی بصورت قالب نزول نہ کرتا تو عالم اجسام میں قالبِ آدم ہرگز نہ ہوتا...... جو اوپر عرش پر لے جایا گیا تھا...... جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تدلّٰی کا معنیٰ اور مفہوم قالب تجویز کرنا درست ہے......ثُمَّ رَدَدْنٰهُ [1] واپس لوٹا دیا تھا' سے مراد ہے کہ آدم کو عرش سے زمین پر لوٹایا گیا تھا۔ اس لیے کہ اُس کو زمین سے اٹھایا گیا تھا۔

3- قالب روح کا عکس نہیں بلکہ قالب ہی کا عکس معکوس ہے۔

4- چونکہ عالم ارواح میں قالب کو اعلیٰ اور روح کو ادنیٰ کہا گیا ہے۔ لہٰذا اس کے برعکس عالم اجسام میں روح اعلیٰ اور جسم (قالب) ادنیٰ ہوگا۔

لیکن یہاں پر ایک احتمال ہے۔ کہ جب عالم اجسام میں حضرت آدم علیہ السلام

۱۔ والتین' آیت نمبر 4

۲۔ مکتوبات امام ربانی' مکتوب نمبر 30' دفتر سوم

کا قالب جو عکس معکوس ہے، عروج کر کے عالم ارواح میں اپنے اصل قالب میں جب فنا و بقا حاصل کر لیتا ہے...... تو وہ اپنے اصل کا حکم اختیار کر لیتا ہے۔ اور وہ اسی مقامِ احترام پر فائز ہو جاتا ہے۔[۲]

حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کی تفصیل:۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قالب عالم ارواح میں کامل تھا۔ اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بھی کامل بنایا گیا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قالب اللہ تعالیٰ کی مجموعی صفات کے جلوہ کا مظہر ہے...... جب کہ حضرت آدم علیہ اسلام کا قالب چار عناصر کا مجموعہ ہے۔ گویا چار عناصر اللہ تعالیٰ کی ذاتی قدیمی آٹھ صفات کا عکس معکوس ہیں...... یعنی ہر عنصر اللہ کی دو صفات کے جلوہ کا عکس معکوس و مظہر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کو چونکہ براہ راست کائنات سے کامل صورت میں بنایا گیا ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر والدین کے پیدا کیا گیا تھا...... جس کی تفصیل اللہ تعالیٰ کے کلام میں یوں ہے:

(۱)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَا الْفَخَّارِ

ترجمہ: اسی نے انسان کو مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی، پیدا کیا۔[۱]

(۲)

قَالَ لَمْ اَکُنْ لَا سجد بَشَر خَلَقْتَهُ مِنْ صِلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ٥

ترجمہ: (شیطان) بولا میں وہ نہیں کہ ایسے انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کھنکھناتے ہوئے سڑے ہوئے گارے سے بنایا۔[۲]

(۳)

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِیْنٍ

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے، ایک انسان پیدا کرنے

۱۔ سورہ رحمٰن، آیت 14، ترجمہ فیوض القرآن
۲۔ (سورہ الحجر 15 آیت 33۔ ترجمہ فیوض القرآن)
۳۔ (سورہ ص 38 آیت 71)

والا ہوں۔ ۳

(۴)

یا اِذَا خَلَقْنَا کُمْ مِنْ تُرابِ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُصفَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ

ترجمہ: پیدا کیا (پہلے) مٹی سے، پھر ایک قطرہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر نقشہ بنی ہوئی مٹی سے اور کبھی بلا نقشہ کی مورتی سے ۱

(۵)

اِنَّا خَلَقْنَا هُمْ مِنْ طِیْنٍ لَا زِب

ترجمہ: اور بے شک ہم نے ان کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ ۲

قرآن پاک کی مندرجہ بالا پانچ آیات میں قالب انسانی کے عنصر خاک یعنی مٹی کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں ان کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ مٹی کی اصل صورت سامنے آجائے۔ مٹی کے اوصاف درج ذیل ہیں:

☆ صَلْصَالٌ ☆ فَخَّارُ ☆ حَمَأٌ
☆ لَازِبُ ☆ مَسْنُوْن ☆ تِرابُ
☆ طِیْنٌ

مندرجہ بالا اوصاف کی وضاحت اور آخر میں تراب اور طین میں فرق نیچے لکھا جاتا ہے۔

1-صلصال: اہل لغات نے یہ معانی لکھے ہیں:

1- بجتی ہوئی مٹی

2- کھنکھناتی ہوئی مٹی کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو بجنے اور کھنکھنانے لگے صلصال کہلاتی ہے۔

3- بعض نے اس کے معنی سڑی ہوئی مٹی کے بھی بیان کیے ہیں...... ابوعبیدہ

۱۔(الحج 22 آیت 5 ترجمہ فیوض القرآن)

۲۔ سورہ صفات: 37 آیت: 11 ترجمہ فیوض القرآن

۳۔(لغات القرآن جلد چہارم رشید نعمانی ص 36)

نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے یوں کہا ہے: صلصال وہ خشک مٹی ہے۔ جس کو آنچ نہ پہنچی ہو۔ اور جب تم اس کو انگلی سے ٹھونکو تو بجنے لگے تو تم اس کی کھنکھناہٹ سنو۔[3]

2-فخار: جب وہ مٹی آگ میں پکائی جائے تو فخار ہے۔ نیز ہر وہ شے جو کھنکھناتی ہو وہ صلصال ہے۔

3-حما: اس کا معنی ہے گارا، کیچڑ۔[1]

4-لازب: اس کا معنی ہے۔ چپکنے والی مٹی، لیس دار مٹی[2]

حما اور لازب جب دونوں کے معنی پر غور کیا گیا جاتا ہے تو مفہوم یہ واضح ہوتا ہے کہ جس طرح ظروف سازی کے لیے کمہار مٹی کو خاص طریقہ سے گوندھ کر تیار کرتے ہیں تو وہ مٹی موم کی طرح نرم ہو جاتی ہے...... پھر اسے دھوپ میں خوب خشک کرنے پر وہ بجانے سے بجنے لگتی ہے۔ اس کے بعد برتنوں کو آوہ میں رکھ کر آگ سے آتش دم کر کے پختہ کر لیتا ہے۔ تو کالفخار کا معنی یہی ہے۔ کہ آدم علیہ السلام کا قالب اتنا پختہ ہو چکا تھا جیسے اسے آگ میں رکھ کر پختہ کیا گیا ہو۔

5-مسنون: یہ اسم مفعول واحد مذکر ہے..... اس کا مصدر سَن ہے اور باب نَصَرَ ہے۔ جس کا مفہوم متغیر اور سڑا (جلا) ہوا ہے۔ (سیوطی)[3]

اس کے علاوہ مسنون کے معنی ہیں:

1- تیز کرنا 2- رگڑنا 3- تیز چلانا
4- متغیر کر دینا 5- ظاہر کر دینا 6- دانت سے کاٹنا
7- سزا دینا 8- راستہ پر چلنا 9- منہ پر پانی بہانا

مسنون کے درج بالا معانی پر غور کیا جاتا ہے تو ان میں سے چند معانی سے درج ذیل باتیں اخذ ہوتی ہیں:

1- رگڑنے سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ قالب کو اس قدر رگڑا گیا کہ اس میں چمک پیدا ہو گئی۔ جس طرح کسی شے کو پالش کرنے کے لیے رگڑا جاتا ہے۔

2- متغیر ہونے سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ قالب کو جب جلایا گیا تو اس کی دو صورتیں

---

[1] لغات القرآن ص 291 جلد دوم [2] لغات القران جلد پنجم ص 194 [3] لغات القران جلد پنجم ص 383

ہیں یا تو وہ جل کر سیاہ صورت اختیار کر لے یا پھر مٹی کو اس طرح جلایا جائے کہ (purify) کے پراسس (نظام) سے گزار کر بلور کی طرح شفاف بنا دیا گیا ہو...... جب شفاف شے کو رگڑا جائے تو وہ اور شفاف ہو جاتی ہے۔

3- ظاہر کرنا سے مراد یہ ہو کہ اس کو اس قدر دلکش اور حسین بنایا جو کہ اپنے ناظرین کی توجہ کا مرکز بن گیا ہو...... اور اس پر یہ بات شاہد معلوم ہوتی ہے...... کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آدم کے قالب کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا...... اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اپنی کمال محبت سے بنانے والا ہو تو وہ کیوں کر جاذب نظر اور جاذب قلب نہ ہوگا۔ پھر اس پر مستزاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ [1]

جب یہ بات ثابت ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کے قالب کی مٹی کو یقیناً شفاف و پرکشش بنایا ہوگا...... یہ ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی فنکار اپنی ہی تصویر (نمونہ) کو خوبصورت نہ بنائے اور وہ بنانے والا ہو بھی احسن الخالقین، تو وہ اپنے ہی نمونہ پر بنائے جانے والے ماڈل کو حسین ترین کیوں نہ بنائے گا...... لہٰذا مندرجہ بالا عبارت کے معنی اور مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے وجود (قالب) کو شفاف اور حسین ترین بنایا گیا تھا۔ نہ کہ وہ سرانڈھ (متعفن) تھا۔

تراب اور طِین میں فرق درج ذیل ہے:

تراب:

اس کا معنی ہے، زمین یعنی کرہ زمین ہے [2]

طین:

اس کا معنی ہے زمین میں سے وہ چُنی ہوئی مٹی جس سے حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا گیا تھا۔ [3]

۱۔ مکتوب 95 دفتر اول حاشیہ ص 266 ۲۔ لغات القرآن جلد 1 ص 109 ۳۔ لغات القرآن جلد چار ص 125

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کائنات سے بلاواسطہ کامل وجود میں پیدا کیا گیا...... اس کے برعکس بنی آدم کو نطفہ سے پیدا کیا گیا۔ پھر **نطفہ** کو **علقة** پھر **علقة** کو **مضعفة مخلقه** بنایا گیا۔

اللہ تعالیٰ بنی آدم پر واضح کرتا ہے کہ میں نے تجھے تین اندھیروں میں بنایا ہے:

يَخْلُقُكُمْ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِىْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ

ترجمہ: (ذرا اپنی تخلیق پر غور کرو) وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تاریکیوں میں یعنی شکم مادر پھر رحم مادر پھر اس میں بھی جھلی کے اندر۔ا

جس کا مفہوم یہ ہے کہ بچہ جب والدہ کے رحم میں ہوتا ہے وہ تو تین پردوں کے اندر ہوتا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

1- بطن کا پردہ، جس کے اندر رحم ہوتا ہے۔
2- رحم کا پردہ جس کے اندر باریک جھلی ہوتی ہے۔
3- باریک جھلی جس کے اندر بچہ ہوتا ہے۔

گویا انسان کا بچہ تین پردوں یا تین اندھیروں میں پیدا کیا جاتا ہے۔ اور ایسا اس وجہ سے ہے کہ کائنات کے تین دائرے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تین دائروں سے براہ راست پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن ان کی اولاد کو والدہ کے وجود سے پیدا کیا گیا جو کائنات کے تین دائروں کا قائمقام ہے:

☆ دائرہ اول ...... عالم ارواح
☆ دائرہ دوم ...... عالم اجسام
☆ دائرہ سوم ...... عالم آخرت

حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کی عظمت کا اظہار اور شان کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کو مٹی سے بنایا ہوا کہہ کر اس کو سجدہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت سے نکال دیا' اور اس پر قیامت تک لعنت کو واجب کر دیا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں یوں ہے:

ا۔ سورہ زمر 39 آیت 6 ترجمہ فیوض القران

اللہ تعالیٰ کا شیطان سے پہلا مواخذہ:

قال مَامَنَعَکَ اِلَّا تَسْجُدَاِذْ ا اَمَرْتُکَ

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا "اے ابلیس! تجھ کو کیا چیز مانع ہوئی کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا؟

شیطان اپنی پہلی صفائی پیش کرتا ہے:

قال اِنَّا خَیرمنہُ خَلقُتَنی مِن نَّارٍ وَّ خَلقُتَہُ مِنُ طِیُن.

ترجمہ: وہ بولا میں اس (پتلا خاکی) سے بہتر ہوں۔تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے بنایا (لیکن یہ اس کا مغالطہ تھا۔ اپنی حقیقت کا غلط دعویٰ تھا۔ نہ آگ خاک سے بہتر ہے نہ اللہ کی حکم عدولی کسی منطق سے جواز پاسکتی ہے) [1]

اللہ تعالیٰ کا شیطان سے دوسرا مواخذہ:

قال یٰاَبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ ط استکۡبَرۡتَ ام کُنۡت مِنَ الۡعَالِیۡن

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس! تجھے کس چیز نے اس کو سجدہ کرنے سے روک دیا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے (یعنی اپنے دستِ حکمت اور دستِ قدرت سے) بنایا...... کیا تو (بے جا) غرور میں آ گیا یا (واقعی اپنے زعمِ باطل میں) تو بڑے درجہ والوں میں سے تھا۔ [2]

شیطان کا دوسری بار صفائی پیش کرنا

قا ل انا خیرٌ مَنہ ط خَلَقۡتَنِیۡ مِن نَّار وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡن.

ترجمہ: وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا اور اس کو مٹی سے بنایا [3]

۱۔سورۃ الاعراف 7 آیت 12 فیوض القرآن

۲۔ سورہ ص 38 آیت نمبر 75 فیوض القرآن

۳۔ سورہ ص 38 'آیت نمبر 76 'ترجمہ فیوض القرآن

مندرجہ بالا مواخذہ ہائے کے جواب دیتے ہوئے اس نے مٹی کی جو اہانت کی تھی، اُس پر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی زبان سے طین کی اہانت سن کر جو سزائیں ابلیس کے لیے مقرر فرمائیں وہ درج ذیل ہیں:

پہلی سزا:

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ

ترجمہ: فرمایا تو یہاں سے (اس جنت سے (اس مقام قرب ومقام دید) سے اُتر جا۔ تو اس لائق نہیں کہ یہاں (جنت میں رہ کر) تکبر کرے۔ پس تو نکل جا تو ذلیلوں میں سے ہے۔[1]

دوسری سزا:

قال فاخرج منها فانک رجیم. وان علیک لعنتی الیٰ یوم الدین

ترجمہ: حکم ہو نہیں تو یہاں سے نکل جا کہ تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔[2]

مندرجہ بالا عبارت میں اللہ تعالیٰ اور ابلیس کے درمیان جو مکالمہ ہوا اور جو سزا ابلیس کو دی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل باتوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے:

1- آدم کے جس قالب کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (یعنی بڑی محبت) سے بنایا تھا کیا تو نے اس کو اس لیے سجدہ نہیں کیا کہ تو آدم سے عالی مرتبت لوگوں میں سے تھا؟

2- اے ابلیس جبکہ میں تجھے حکم دے چکا تھا تو پھر تجھے کس شے نے روک لیا تھا۔ یعنی تو نے میری دو بار حکم عدولی کی۔ مواخذہ پر اس نے دونوں بار ایک ہی جواب دیا:

"آدم کا وہ پتلا جسے تو نے مٹی سے بنایا وہ مجھ سے کمتر تھا......اور میں

۱۔ سورۃ الاعراب: 7 آیت 13 فیوض القرآن

۲۔ سورہ ص 38 آیات: 78-77

اس سے برتر تھا' اس لیے کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا۔ اور اُسے مٹی سے بنایا۔"

مندرجہ بالا عبارت میں قرآن کی آیات کی روشنی میں مٹی کے قالب کی جو عظمت وشان بیان ہوتی ہے نیز اس کی اہانت پر جو سزا بیان ہوئی ہے...... اُس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کو جس نظر سے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے' اس نظر سے ابلیس نے نہ دیکھا بلکہ اپنی نظر سے دیکھا...... جس معنی میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کا ذکر فرمایا ہے۔ اس معنی اور مفہوم کو ابلیس نہ جان سکا تو اس نے مٹی کو اپنی کوتاہ نظر سے کوتاہ عقل وفہم سے مٹی کو حقیر جانا۔ اور حقیر ہی کہا...... اس عمل نے شیطان کو مردود اور لعین بنادیا...... جس سے یہ عبرت حاصل ہوتی ہے کہ ہمیں بھی مٹی کے پتلے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے پورے آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اور اُس مٹی کے مبارک پتلا کو احسن انداز میں بیان کرنا چاہیے۔ جس کو احسن الخالقین نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا۔

عنصر خاک کی فضیلت:

پہلا پہلو:

عالم کبیر سے مراد کائنات ہے اور عالم صغیر سے مراد بنی نوع انسان ہے...... اِمام ربانی قدس سرہٗ دونوں میں امتیاز بیان کرتے ہوئے عنصر خاک کی فضیلت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:۔

i- جاننا چاہیے کہ ظہور عرشی اگرچہ شائبہ ظلیت[1] سے مبرّا ہے۔ لیکن وہاں صفات ذات تعالیٰ تقدس کے ساتھ ملی ہوئی ہے...... اور شیون اور اعتبارات اس بلند ذات میں ثابت ہیں...... اگرچہ اس مرتبہ میں صفات اور شیونات ذات کے لیے حجاب نہیں ہیں۔ لیکن دید ودانش میں شریک ہیں۔ اور محبت وگرفتاری میں بھی شریک ہیں۔

احدیت مجردہ تعالت وتقدست[2] کے گرفتارانِ محبت کسی امر کی شرکت سے راضی

---

[1] ظلیت اصل میں ظل کا اسم اصغر ہے یا شائبہ ہے [2] احدیت سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا یگانہ ہونا مراد ہے جو تمام صفات وشیونات سے بالا ہے' عاشقان ذات یگانہ کسی صفت کے حجاب کو دیکھنے پر راضی نہیں' یعنی اللہ تعالیٰ کو ہم حجاب کے بغیر دیکھنا ہی ان کی مراد ہے۔

نہیں ہیں اور مطابق آیۃ کریمہ:

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الخَالِصُ: ''سن لو! کہ دین خاص اللہ ہی کے لیے ہے۔''

یعنی دین خالص کے خواہاں ہیں۔

ii- صفات کی عدم شرکت درجات کے فرق کے مطابق انسان کی ''ہیئت[1] وحدانی'' کا حصہ ہے...... ہیئت وحدانی کا حصہ انسان کا دل ہے...... اور جزو ارضی کا حصہ انسان ہے...... اور اِن سب کے اوپر انسان کی وہ ہیئت وحدانی ہے' جو اس کی جزو ارضی کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ اور اس کا رنگ پکڑا ہے...... مختصر یہ کہ اس معاملہ کا عمدہ حصہ جزو ارضی ہے۔

iii- دوسرے امور' تحسیناتِ[2] زائدہ کی حیثیت رکھتے ہیں...... انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرش اور عالم کبیر کے لیے بھی ان دو چیزوں سے کوئی حصہ نہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

(الف) انسان میں ایک تو ''جزو ارضی'' ہے جو عرش میں نہیں ہے۔

(ب) اور انسان میں ایک ''ہیئت وحدانی'' ہے۔ جو عالم کبیر (کائنات) میں نہیں ہے...... اور وہ شعور جو ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے' نورٌ علی نورٌ ہے۔ جو عالم اصغر (قلب) کے ساتھ مخصوص ہے...... پس انسان ایک عجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کی ہے اور امانت کے بوجھ کو اٹھایا ہے۔[3]

مندرجہ بالا عبارت میں امام ربانی مجدِد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''جزو ارضی'' کی حقیقت کو بیان کیا ہے اور درج ذیل عبارت میں ''جزوِ ارضی'' کے کمالات کو یوں بیان فرمایا ہے:

iv- انسان کے نادر اور عجیب خصائص کے متعلق سن! کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرت احدیث مجردہ کا آئینہ ہونے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔ اور صفات وشیونات کے اقتران واتصال کے بغیر ہی ذات احد تعالیٰ شانہ' کا مظہر

---

[1] قلب انسانی کے اندر ایک ایسا وجود پایا جاتا ہے جو عالم امر اور عالم خلق دونوں کی ترکیب سے بنایا گیا ہے۔ جو صورت کے لحاظ سے یکتا اور عجب نمونہ ہے۔ بالخصوص کمالاتِ نبوت کے بلند وبالا فیضان کا مرکز یہی ہے۔ جس کی اصل بھی عنصر خاک ہے (یہ دریافت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے) [2] حُسن دو طرح پر ہے۔ (i) ذاتی حسن (ii) صفاتی حسن۔ صفاتی حسن کی بھی تجلیات کو تحسینات زائدہ کہا گیا ہے۔ [3] مکتوب 11 دفتر دوم ص ۹۷۲...... ؟

بن جاتا ہے...... حالانکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس ہمہ وقت اپنی صفات و شیونات سے علیحدگی نہیں۔

-v اس کی تفصیل یوں ہے کہ انسان کاملِ جب ذات احدیت تعالیٰ و تقدس کے ماسویٰ کی گرفتاری سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تو ذات احد جل سلطانہٗ کے ساتھ گرفتاری پیدا کر لیتا ہے...... اور صفات و شیونات[1] میں کچھ بھی اس کا ملحوظ منظور، مقصود اور مطلوب نہیں ہوتا مطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی ''انسان اُس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اس کو محبت ہو۔''

اس کے لیے حضرت احدیّت مجردہ کے ساتھ ایک مجہول الکیفیّۃ اتصال پیدا ہو جاتا ہے...... اور وہ گرفتاری جو اسے ذات احد جل سلطانہٗ کے ساتھ حاصل ہوئی تھی۔ ایک بے چون قرب کی نسبت بے چون ذات کے ساتھ اس میں ثابت کر دی ہے...... اس وقت انسان کامل ذات احد کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ انسان کامل میں صفات و شیونات میں سے کوئی چیز بھی اس میں مشہود اور دکھائی نہیں دیتی بلکہ اس میں احدیت مجرّدہ تعالت و تقدّست ظاہر اور جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ سُبُحَانَ اللہ العظیم

-vi وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتی تھی، انسان کامل کے شیشہ میں تجرّد کی حیثیت سے ظاہر اور جلوہ گر ہو گئی۔ اور حسن ذاتی، حسن صفاتی سے متمیز اور جدا ہو گیا...... اس طرح کی آئینہ داری اور مظہریت انسان کامل کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس صفات و شیونات کے بغیر انسان کے سوا کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوا۔

-vii عرش مجید عالم کبیر میں حضرت ذات جامع صفات تعالیٰ و تقدس کا مظہر ہے اور انسان کامل (عالم صغیر) میں حضرت ذاتِ احد کا صرف اعتبارات سے ہے، مظہر ہے...... یہ آئینہ داری انسان کے عجائبات میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ عطا کرنے والا ہے۔ جو وہ عطا کرے اُسے کوئی روک نہیں سکتا، اور جو اللہ روک لے۔ اُسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

والسلام علی مَنِ الھدیٰ و التزم متابعۃ المصطفٰے علیہ وعلی آلہٖ

---

[1] شان کی جمع شیونات ہے۔ یہ صفات سے درجات میں بلند مرتبہ ہیں۔

واصحابہ الصّلوٰت والتحیاتِ الْعُلٰی ؎۱

مندرجہ بالاعبارت میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''ہیئت وحدانی'' کے جن کمالات کو بیان فرمایا۔ وہ کمالات درحقیقت جزو ارضی (عنصر خاک) کا حصہ ہیں۔ جس کو طین کہا گیا ہے۔ اس طین کو یہ صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ طین اس صلاحیت کی حامل ہے کہ وہ ذات احد تعالیٰ وتقدس کی محبت میں گرفتار ہونے کے باعث اسی ذات کا آئینہ ومظہر بن جاتی ہے...... جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جس خاک کے پتلے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اس میں یہ صلاحیت ودیعت فرمادی کہ وہ اس کی ذات کا مظہر ہو۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اُس ذات مجردۃ تعالت وتقدست نے اس خاک کا پتلا کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ مطابق حدیث اِنَّ اللّٰہ خَلَقَ اٰدَمَ صورتہٖ ۔ چونکہ وہ خاک کا پتلا اس کی صورت پر ہے' کیوں کر وہ اس کا خلیفہ و نائب نہ ہو' اور اس کی امانت کا بار اٹھانے والا نہ ہو...... یہ اُسی کا حق ہے اُسی کا حصہ ہے' اُسی کو زیبا ہے' وہ اس اہلیت کا نمائندہ ہوتا ہے...... وہ ان تمام امور کو اسی طرح سرانجام دیتا ہے۔ جس طرح ذات اعلیٰ نے سرانجام دیئے۔ تو وہ خلیفہ ہے' ورنہ وہ خلیفہ کیسا؟

دوسرا پہلو:

امام ربانی حضرت مجدِد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد اصغر اور جہاد اکبر کے درمیان امتیاز بیان کرتے ہوئے نفس اور قالب کے درمیان موازنہ لکھا ہے۔ جس میں قالب کے چار عناصر کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ جو اس طرح ہے:

(1)

جاننا چاہیے کہ (نفس) مطمئنہ شرح صدر حاصل ہونے کے بعد جو ولائت کبریٰ کے لوازم سے ہے۔ اپنے مقام سے عروج فرما کر تخت پر چڑھ جاتا ہے......اور وہاں تمکین وسلطنت حاصل کر لیتا ہے۔ اور ممالک قرب پر غلبہ پالیتا ہے...... یہ تخت صدر حقیقت میں ولائت کبریٰ کے عروج کے مقامات سے برتر ہے...... اس تخت پر چڑھنے والے کی نظر ابطنِ بطون کی طرف نفوذ کرتی ہے۔ اور غیب الغَیب میں سرایت کر جاتی ہے...... ہاں جب کوئی شخص بہت اونچے مکان پر

؎۱ مکتوب نمبر 11 دفتر دوم ص ۹۷۲ تا ۹۷۳

چڑھ جائے تو اس کی نظر بہت دور تک نفوذ کرتی ہے۔ اور نفس مطمئنہ کی تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس سے جا ملتی ہے۔ اور عقلِ معاد نام پاتی ہے۔ اور دونوں اتفاق واتحاد سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

②

اے فرزند! (خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ) نفس مطمئنہ کے لیے اب مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی اور پورے طور پر مقصود کے حاصل کرنے کے درپے ہے...... رضائے پروردگار کے سوا اس کا کوئی اِرادہ نہیں اور حق تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کے سوائے اس کا کچھ مطلب نہیں......سبحان اللہ وہ امارہ جو اوّل بدترین خلائق تھا' اطمینان اور حضرت سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالم امر کے لطائف کا رئیس ہو گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا...... مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا سچ فرمایا:

خیارکم في الجاهلية خيارکم في الاسلام اِذا فَقِهُوا۔[1]

ترجمہ: ''جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے۔ وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں۔ جب اُنہوں نے دین سمجھ لیا''

اس کے بعد اگر خلاف اور سرکشی کی صورت ہے۔ تو اس کا منشا اربعہ عناصر کی مختلف طبائع ہیں۔ جو قالب کے اجزاء ہیں'

☆ یعنی اگر قوت غضبیہ ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔

☆ اور اگر شہویہ ہے تو وہیں سے ظاہر ہے۔

☆ اور اگر خست وکمینہ پن ہے۔ تو بھی وہیں سے ہے۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ تمام حیوانات جن میں نفس امارہ نہیں ہے' ان کو یہ اوصاف رذیلہ پورے اور کامل طور پر حاصل ہیں...... پس ہو سکتا ہے کہ مراد اس جہاد اکبر سے جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰی جِهَادِ الْاَکْبَرِ۔

ترجمہ: ''ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کیا۔''

---

[1] بخاری ومسلم شریف بروایت۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(3)

جہاد بالقالب ہو نہ کہ جہاد بالنفس۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ نفس اطمینان تک پہنچ چکا ہے۔ اور راضی ومرضی ہو گیا ہے۔ پس خلاف وسرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہو گی...... اور اجزائے قالب سے خلاف وسرکشی کی صورت سے مراد ترک اولیٰ اور امورِ مرخصہ (رخصت والے کاموں) کے ارتکاب اور ترک عزیمت کا ارادہ ہے۔ تا کہ اشیاء محرمہ کے ارتکاب اور ترک فرائض وواجبات کا ارادہ کہ یہ اس کے حق میں نصیب اعداء (نصیب دشمنان) ہو چکا ہے۔

(4)

اے فرزند! عناصر اربعہ کے کمالات اگرچہ نفس مطمئنہ سے برتر ہیں۔ (جیسا کہ گزر چکا) لیکن نفس مطمئنہ چونکہ مقام ولائت سے مناسبت رکھتا ہے' اور عالم امر سے ملحق ہوا ہے' اس لیے صاحب سکر ہے' اور مقام استغراق میں ہے' اور اسی سبب سے اس میں مخالفت کی مجال نہیں رہی...... اور عناصر کی مناسبت چونکہ مقام نبوت کے ساتھ زیادہ ہے۔ اس لیے صحو (ہوش) ان میں غالب ہے...... اور اسی لیے بعض منافعوں اور فائدوں کے لیے جو ان سے متعلق ہیں مخالفت کی صحت ان میں باقی ہے (فافھم)۔[1]

خلاصہ ومفہوم:

مندرجہ بالا عبارت میں نفس مطمئنہ کو عالم امر سے مناسبت رکھنے والا اور قالب کے عناصر اربعہ کو مقام نبوت سے مناسبت رکھنے والے بیان کیا گیا ہے...... اور نفس کو صاحب سکر اور اربعہ عناصر کو صاحب ہوش بیان کیا گیا ہے...... نیز عالم امر کو ولائت سے مناسبت ہے جس کا تعلق نفس مطمئنہ سے ہے...... اور قالب کے اربعہ عناصر کا تعلق مقامِ نبوت سے ہے جو عالم خلق سے مناسبت رکھتے ہیں...... چونکہ کمالاتِ نبوت' کمالاتِ ولائت سے اعلیٰ وافضل ہیں بلکہ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ ولائت نبوت کا ظل ہے...... لہٰذا ولائت کے عام کمالات بھی کمالات نبوت کے ظلال ہیں...... نبوت اصل ہے اور ولائت اس کا عکس ہے۔ لہٰذا جو نسبت عکس کو اپنے اصل سے ہے۔ وہی نسبت کمالات کو حاصل ہے۔

---

[1] ا۔ مکتوب 260 دفتر اول ص ترجمہ سعید احمد نقشبندی ص ۱۲۷/ ۶۱۷

استنباط:

مندرجہ بالا عبارت میں نفس اور قالب کے درمیان موازنہ میں قالب کے عناصر اربعہ کی حقیقت وعظمت اور بلند شان سامنے آ چکی ہے۔ اس سے عنصر خاک یعنی طین کا درجہ واضح ہو جاتا ہے...... نیز یہ بات بھی طے شدہ اور تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اربعہ عناصر میں سب سے اعلیٰ عنصر خاک ہے۔ جس سے حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا گیا تھا۔ اور عنصر خاک ہی کو شرف حاصل ہے کہ جسے نبوت کے تاج سے سرفراز کیا گیا۔

امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ قالب کے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔

اے فرزند! چونکہ علوم نبوت یعنی شرائع واحکام قالب کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کو بھی عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔ تا آخر [1]

اس عبارت میں قالب جو عنصر خاک کا ہے۔ کی نسبت علوم نبوت سے غالب بیان کی گئی ہے۔ جو قالب کے اعلیٰ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

---

[1] مکتوب نمبر ۲۶۰۔ دفتر اول ص ۱۲۶/۶۱۶

گزشتہ صفحات میں حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کے حق میں دلائل بیان کیے گئے ہیں۔اب روح کے حق میں دلائل بیان کیے جاتے ہیں:

روح جسم سے افضل ہے:

زمانہ قدیم سے روح اور جسم کے بارے میں جو عقائد اور نظریات ہمیں اسلام کی طرف سے نسل در نسل بطور وراثت منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1- روح امر ربی ہے......اور جسم خلق ہے۔
2- روح اصل ہے......اور جسم (قالب) اس کا ظل / عکس ہے۔
3- روح کے لیے جسم کی وہ حیثیت ہے جو جسم کے لیے لباس کی حیثیت ہے......یعنی جس طرح جسم سے لباس اتار دیں تو وہ بے حرکت اور بے جان ہو جاتا ہے۔اسی طرح جب جسم کو روح اتار کر نکل جاتی ہے تو جسم بے حس و بے حرکت ہو جاتا ہے......عام لفظوں میں جسم مردہ ہو جاتا ہے۔
4- روح مظہر ذات ہے......جبکہ جسم مظہر صفات ہے...... چونکہ ذات صفات سے اعلیٰ ہے اس لیے روح افضل ہے۔
5- روح ایک نوری وجود ہے......اور جسم چار عناصر کا مجموعہ ہے۔
6- روح کو دائمی زندگی حاصل ہے یعنی اُس پر موت وارد نہیں ہوتی...... جب کہ جسم پر موت وارد ہوتی ہے۔
7- روح عالم بالا کا ہم نشین ہے......اور جسم عالم اسفل کا مکین ہے۔
8- روح کی تخلیق پہلے ہوئی اور جسم کی تخلیق آخر میں ہوئی۔
9- روح کو ازل سے مشاہدہ ذات حاصل ہے۔جب کہ جسم کو مجاہدہ کے عمل سے گزرنے کے بعد یعنی فنا و بقا کے بعد مشاہدہ کی دولت حاصل ہوتی ہے۔
10- اور یہ بات بھی معروف ہے کہ روح اپنے قالب کو خود بناتی و سنوارتی ہے۔
11- روح عالم بالا کا ایک ایسا مسافر ہے۔جو عالم اسفل کے بنائے ہوئے قالب میں اسیر ہے...... اسیر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روح نفس کی محبت میں گرفتار ہے۔جس کی وجہ سے وہ عالم بالا سے عالم اسفل میں اتر آیا۔

چونکہ نفس روح کا معشوق ہے۔ اس لیے روح نفس کے تابع ہو جاتا ہے......اور جو نفس امارہ کا ارادہ ہو روح اس پر عمل کرتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں روح کی افضلیت:

-12 امام ربانی حضرت مجدِ دالف ثانی قدس سرہٗ روح کے افضل ہونے کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

معرفت:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔'' [1]

اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے اُس نے آدم کی روح کو جو آدم کا خلاصہ ہے' بے مثل و بے کیف پیدا فرمایا...... جس طرح حق سبحانہ تعالیٰ لامکانی ہے' روح بھی لامکانی ہے......روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ وتقدس کو عالم کے ساتھ ہے...... کہ نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج' نہ متصل ہے نہ منفصل ...... قیومیت یعنی تدبیر وتصرف کے سوا اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ بدن کے ہر ذرہ کا منتظم روح ہے۔ پھر روح کے واسطہ سے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے......اور جبکہ روح بے چونی اور بے چگونی (بے مثل و بے کیف) کی حالت میں پیدا کیا گیا ہے۔ تو لامحالہ بے چوں بے چگوں حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی اس میں گنجائش ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

لَا یَسعنی اَرْضِیْ وَ لَا سَمَائِی وَلٰکِنْ یسعنی قَلْبُ عَبْدِیْ الْمُوْمِنْ.

ترجمہ: ''میری گنجائش نہ تو میری زمین رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان' ہاں میری گنجائش میرے بندہِ مومن کا قلب رکھتا ہے۔'' [2]

کیونکہ ارض وسما اس وسعت وفراخی کے باوجود دائرہ مکانی میں داخل ہیں' اور

---

[1] اس حدیث کے بارے میں پوری تفصیل جاننے کے لئے دفتر اول مکتوب ۹۵ ص ۲۶۶/۱۳۰ دیکھیں۔ پوری حدیث یوں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خالق اللہ آدم علی صورتہ طولہ ستون ذراعا. الخ (بخاری ومسلم شریف)

[2] اس حدیث کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے اور محدث دیلمی نے اسے مسند الفردوس میں بروایت انس بن مالکؓ عنہ ذکر کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے الدرر المنتشر

چون و چگوں کے داغ سے داغدار ہیں، اس لیے لامکانی ذات جو کمیت اور مقدار سے مقدس و پاک ہے، کی گنجائش نہیں رکھتے، لامکانی شے مکان میں سمانے کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اور بے چون چوں میں آرام پذیر نہیں ہوسکتی...... تو لامحالہ عبدِ مومن کے قلب میں جو لامکانی اور کمیت و مقدار سے پاک ہے، میں اس کا سمانا ثابت ہوگیا...... عَبدِ مومن کے قلب کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ غیر مومن کامل کا قلب لامکان کی بلندی سے سے نیچے آچکا ہے، اور مقدار و کیف کا گرفتار ہو چکا ہے۔ اور کیف و مثل کی حالت پیدا کر چکا ہے۔ اور مقدار و کیف کا گرفتار ہو چکا ہے اور کیف و مثل کی حالت پیدا کر چکا ہے...... لہٰذا اس نزول اور گرفتاری کی بنا پر چونکہ دائرہ مکانی میں داخل ہو چکا ہے اور اس کا حکم اختیار کر چکا ہے، اور کیف و مثل کی حالت پیدا کر چکا ہے، اس لیے اس قابلیت کو ضائع کر چکا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اُولٰئِک کا لْاَنعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ.

ترجمہ: یہ لوگ چار پایوں کی طرح ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے۔" [1]

مشائخ میں سے بھی جنھوں نے اپنے قلب کی وسعت سے خبر دی ہے، تو اس کی مراد یہی قلب کی لامکانیت ہے۔ اس لیے مکانی شے اگر چہ کتنی بھی وسیع ہو بہر حال تنگ ہی ہے...... عرش عظمت و فراخی کے باوجود چونکہ مکانی ہے، لامحالہ لامکانی کے سامنے رائی کے دانہ کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ اس سے بھی کم تر...... بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ قلب چونکہ انوار قدم کی تجلی کا محل بن چکا ہے، بلکہ قدیم ذات کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے، اس لیے عرش و ما فیہا اگر اس میں آ پڑیں تو بالکل محو و لاشے ہو جائیں...... اور ان کا کچھ اثر و نشان باقی نہ رہے...... جیسا کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ محدث (فانی) کو جب قدیم کے ساتھ ملایا جائے تو فانی اور محدث کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔

یہ یکتا لباس ہے جو صرف روح کے قد پر سیا گیا ہے۔ ملائکہ بھی یہ خصوصیت نہیں رکھتے...... کیونکہ یہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہیں، اور چون کے ساتھ متصف ہیں، اس بنا پر انسان رحمٰن جل سلطانہٗ کا خلیفہ قرار پایا...... ہاں ہاں! شے کی صورت ہی شے کا خلیفہ بن سکتی ہے...... جب شے کی صورت پر پیدا نہ کیا گیا ہو تو اس کی خلافت کے لائق نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک خلافت کے لائق نہ ہو امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا...... بادشاہ کی عطاؤں کو اس

---

[1] اعراف نمبر ۷ آیۃ نمبر ۱۷۹

کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔ تبارکِ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالارض وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَن یَحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوماً جَھُولاً.

ترجمہ: بے شک ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر امانت پیش کی تو اُنھوں نے اُسے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور اس سے ڈر گئے...... اور اِنسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ بیشک وہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔[1]

یعنی انسان اپنی ذات پر بہت ہی ظلم کرنے والا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کچھ اثر اور حکم باقی نہیں رہنے دیتا...... اور کثیر الجمل ہے کہ اُسے اپنے مقصود سے متعلق کچھ ادراک نہیں اور نہ ہی علم رکھتا ہے۔ جس کی اپنے مطلوب کی طرف نسبت ہو، بلکہ اس مقام میں ادراک سے عاجز رہنا ہی ادراک ہے، اور جہالت کا اعتراف معرفت ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہوگی وہ سب سے زیادہ حیرت میں ہوگا۔

تنبیہ:

"اگر بعض عبارات میں ایسا لفظ واقع ہو جائے جس سے ذات واجب تعالیٰ کے لیے ظرفیت یا مظروفیت کا وہم پڑتا ہو تو اُسے میدان عبارت کی تنگی پر محمول کرنا چاہیے۔ اور کلام کی مراد کو علمائے اہل سنت کی آراء کے مطابق کرنا چاہیے۔"[2]

مندرجہ بالا مکتوب کی عبارت سے حضرت آدم علیہ السلام کے قالب اور روح کے بارے میں یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ روح قالب کے ذرہ ذرہ پر متصرف ہے...... لہٰذا روح اعلیٰ وافضل ہے۔

امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عبارت میں صرف اور صرف حضرت آدم علیہ السلام کے قالب اور روح کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قالب اور روح کا ذکر نہیں فرمایا...... جس سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قالب اور روح کے بارے میں کوئی جداگانہ حقیقت کا علم رکھتے ہیں۔ جس کا اس تحریر میں اظہار نہیں فرمایا...... حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قالب اور روح کی جداگانہ حیثیت کا ذکر امام ربانی قدس سرہٗ نے مکتوب نمبر 31 دفتر سوم میں کیا

[1] سورہ احزاب ۳۳، آیت نمبر ۷۲، ترجمہ مکتوب امام ربانی قدس سرہٗ [2] مکتوب ۲۸۷، دفتر اول، ۱۱۳/۷۹۵

ہے۔ جسے آخری صفحات میں شامل کیا گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قالب و روح میں سے کون افضل ہے؟

گزشتہ صفحات میں حضرت آدم علیہ السلام کے قالب اور روح کی فضیلت کی بحث پیش کی گئی۔ آئندہ صفحات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قالب اور روح میں سے کون افضل ہے...... پر دلائل بیان کیے جاتے ہیں۔ تاکہ علماء ان دلائل کی روشنی کے علاوہ اپنے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے حقیقتِ حال سے آگاہ کریں اور اس پر فتویٰ صادر فرما کر ایک دستاویزی حیثیت دے دیں۔ دلائل کی ابتداء سورہ نجم کی آیت نمبر 8 ثُمَّ دنٰی فتدلّٰی سے کی جاتی ہے:

ثم:

اس کا معنی ہے کہ (پھر)...... یہ لفظ اس آیت شریفہ میں لفظ دَنٰی سے پہلے وارد ہے۔

دنٰی:

اس کا معنی ہے کسی ادنیٰ کا اعلیٰ کی طرف صعود کرنا[1] اور دنٰی فعل ماضی ہے۔ اور اس کا فاعل روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے...... جس کا ذکر سورہ نجم کی آیت 7 میں یوں ہے

وَھُوَ بالافق الاَعْلٰی. (اور وہ (روح محمدی) افق اعلیٰ کے مقام پر قیام پذیر تھا) تو وہ پھر (ثم) اسی طرف پرواز کر گیا جس طرف سے پہلے آیا تھا۔ یعنی وہ روح پہلے بلندی سے نیچے نزول کر کے افق اعلیٰ پر آیا تھا۔ پھر اسی طرف چلا گیا۔

چونکہ دنٰی کا معنی ہے کسی ادنیٰ کا اعلیٰ کی طرف صعود[2] کرنا اور یہاں ادنٰی سے مراد روح محمدی ہے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ لہٰذا ادنیٰ کا اطلاق روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ

---

[1] المعجم الوسیط جلد اول ص ۲۹۵ [2] (اور صعود کے معنی ہیں ہمہ تن اور ہمہ اوصاف کے ساتھ عروج کرنا از مؤلف)

وسلم ھوتا ہے۔اوراس اطلاق کو بیان کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے.....اوراس ذات باری تعالیٰ کو ہی زیبا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روح کوادنی بیان فرمائے۔ دیگر کسی نوع انسانی یا دیگر مخلوقات میں دوسری انواع کے کسی فرد کو یہ جرات اور جسارت نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی قول وفعل کو بھی ادنیٰ کہے.....ایسا کہنے والا بارگاہ الٰہی میں مردود ومعتوب اور لعنتی ہے.....اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور عظمت سے ہمارے قوالب اور ارواح کو معمور فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ چہ جائے کہ کوئی بدنصیب و بدبخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں ایسا خیال کرے۔

(ف) کا معنی ہے۔پس اور یہاں اس کا معنی ہے ''پس اوپر سے''

تدلّٰی:

اس کا معنی ہے کسی اعلیٰ کا ادنیٰ کی طرف نزول کرنا[1] ......(نزول سے مراد وجود اور کمالات دونوں کے ساتھ نزول کرنا اور اوپر کی طرف جس مقام سے تدلّٰی کا نفاذ ظہور میں آیا اس کو مقام ''ظہورِ تدلّٰی'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔اہل لغات نے تدلّٰی کے بہت سے معانی بیان فرمائے اور اہل تفاسیر نے اپنی اپنی بصارت وبصیرت کے مطابق بہت ہی جہتوں کو بیان فرمایا۔لیکن تدلّٰی کے معنی اور مفہوم کو حضور قلندر بابا اولیا قدس سرہٗ نے جس طرح بیان فرمایا۔وہ یوں ہے:

''تدلّٰی اللہ تعالیٰ کی مجموعی صفات کا جلوہ ہے۔''

(نوٹ) جب کائنات کی تخلیق کے مراحل سے اللہ تعالیٰ آگاہی فرماتا ہے تو اس وقت تدلّٰی کا جو مفہوم اور معنی عملاً سامنے آتا ہے، وہ قالب ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی مجموعی صفات کا مظہر ہے۔[2]

تشریح:

(i) دنیٰ: جس کا معنی ہے کسی ادنیٰ کا اعلیٰ کی طرف صعود کرنا[3] ......چونکہ اس میں فاعل روح احمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور دنی فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب

---

[1] + [3] المعجم الوسیط جلد اول ص ۲۹۵ [2] سفر تخلیق، باب تدلّٰی از مولف

ہے...... چونکہ یہاں روحِ احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا فاعل ہے جو اپنے ارادہ میں آزاد ہے۔ اور اس نے کسی خارجی حکم یا دباؤ کی وجہ سے صعود نہیں کیا بلکہ اپنے باطنی ارادہ اور طلب سے صعود فرمایا۔ لہذا روح کامل اختیارات اور پوری آزادی کا حامل ہے...... یہاں روح مامور (بروزن مفعول) نہیں ہے۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا روح مامور (بروزن مفعول) ہے۔ جسے نَفَخْتُہُ کے حکم کے تحت قالب آدم میں داخل کر دیا گیا تھا...... دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

(ii) تدلّی: جس کا معنیٰ ہے کسی اعلیٰ کا ادنیٰ کی طرف نزول کرنا[1] چونکہ اس کا فاعل ذات الٰہی کی مجموعی صفات کا جلوہ ہے۔ اور تدلّٰی بھی فعل ماضی ہے۔ اور صیغہ واحد مذکر غائب ہے...... چونکہ یہاں تدلّی سے مراد قالب احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جو اپنے ارادہ میں آزاد وخود مختار ہے...... جو کسی خارجی دباؤ یا حکم کے باعث نزول پر مجبور نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنی چاہت ومحبت کے باعث نزول فرمایا۔ اس لیے قالب کامل اختیارات اور پوری خود مختاری کا حامل ہے...... یہاں قالب مامور (بروزن مفعول) نہیں ہے۔ جیسا کہ عالم اجساد میں حضرت آدم علیہ السلام کا قالب مامور (بروزن مفعول) ہے۔ جسے فرشتے زمین سے اٹھا کر عرش پر لے گئے اور پھر نیچے لے گئے تھے۔ جو ثُمَّ رَدَدْنٰــــــہُ کا مفہوم ہے...... یہاں روح قالب پر متصرف نہیں اور قالب روح پر متصرف نہیں لیکن دونوں باہمی رضامندی سے جو چاہیں کر گزریں۔

مندرجہ بالا تشریح سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ جس طرح روح احمدی اپنے افعال واعمال میں خود مختار اور آزاد ہے اسی طرح قالب احمدی بھی اپنے افعال اور اعمال میں خود مختار و آزاد ہے...... جب روح اور قالب محبت کے تقاضوں کے باعث ایک دوسرے کی طرف استقبال کرتے ہوئے مقام افق مبین پر باہم مل گئے' تو دونوں نے ایک دوسرے کو بخوشی قبول کیا اور روح نے قالب کو پہن لیا تھا' قالب نے روح کو اپنے اندر چھپا لیا تھا...... اس ضمن میں راقم الحروف نہائت ادب سے گزارش کرنا ہے کہ عالم اجساد میں

---

[1] المعجم الوسیط ج ۱ ص ۲۹۵

لڑکے اور لڑکی کا نکاح بن دیکھے والدین کرا دیتے ہیں۔ جس کے بارے میں قرآن کریم میں واضح ہدایت ہے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کو ایک دوسرے کی صورت دکھا دی جائے تا کہ اگر ان کو ایک دوسرے کی شکل وصورت قبول ہو تو وہ دونوں راضی خوشی اس رشتہ ازدواج کو قبول کرلیں یا رَدّ کردیں کسی پر جبر نہیں...... دونوں کا آپس میں ملاحظہ کرنا اسی عالم ارواح کے عمل کا مظہر و پرتو ہے۔ کہ وہاں روح اور جسم دونوں نے ایک دوسرے کو پسند فرمایا تھا۔

(iii) اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں قالب کو اعلیٰ اور روح کو ادنیٰ قرار دیا ہے نیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے سامنے عقل عاجز ہے اور اپنی جہالت کی معترف ہے...... اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ قالب کو کس بنیاد پر اعلیٰ اور روح کو کسی وجہ سے ادنیٰ قرار دیا ہے...... چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق پر تفکر کی دعوت دیتا ہے' اور یہ دعوت ہی تفکر کی جرات اور دلیری عطا کرتی ہے۔ لہٰذا اسی دعوتِ فکر کے سہارے اس امر کی جستجو کی جاتی ہے...... اللہ تعالیٰ اپنے کمال فضل وکرم سے رہنمائی فرمائے۔ اور جو حق اور حقیقت ہے اُس سے آگاہ فرمائے آمین!

مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی رحمتہ اللہ علیہ روح محمدِی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''روح محمدی ہی سے تمام دوسری روحیں پھوٹیں اور اس طرح پھوٹیں کہ جس طرح درخت سے شاخیں پھوٹتی ہیں۔اسی مناسبت سے روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو روح کلی بھی کہتے ہیں۔جیسا کہ روح اولی اور نور اوّل کہتے ہیں۔''

مولانا موصوف اجسام کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تمام روحیں ہی نہیں پھوٹیں۔تمام مادے اور اجسام بھی پھوٹے۔مادہ اور جسم روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تو نکلے ہوئے ہیں۔''

مولانا موصوف مزید لکھتے ہیں:۔

''چونکہ تمام روحیں تمام مادے، تمام جسم، روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی سے نکلے ہوئے ہیں۔دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ پورا عالم روح محمدی ہی سے نکلا ہوا ہے۔[1]

مندرجہ بالا عبارت میں مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی علیہ الرحمہ نے یہ بات واضح طور پر بیان فرمادی ہے کہ تمام ارواح اور تمام اجسام اور دیگر مادے روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہی نکلے ہوئے ہیں۔

موصوف مولانا نے بڑی جرات سے یہ بات لکھ دی ہے۔لیکن اس کا کوئی حوالہ

---

[1] عبدالقادر آزاد سبحانی، مولانا: میلاد ربانی، ص6، مطبوعہ مرکزی مجلس امیر ملت، برج کلاں، قصور 1998ء

مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی جو انڈیا کے صوبہ (یو۔پی) بھارت کے ضلع بلیا موضع سکندر پور میں 1882ء میں پیدا ہوئے اور 24 جون 1957ء میں گورکھ پور (بھارت) کے محلہ نظام آباد میں وفات پا گئے۔اور ان کی آخری آرام گاہ وہیں کچی باغ میں ہے۔

مولانا موصوف کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں: 1-الکلیات (فلسفہ) 2- مقدمہ تفسیر ربانی۔ 3- تفسیر ربانی 4-العقائد 5- کلیات دین 6-زیور سبحانی (شعری مجموعہ) 7- سیرت ربانی 8- سفرنامہ یورپ و امریکہ 9-ارکان خمسہ 10-فلسفۃ الربانیہ (عربی) 11- مقدمۃ القرآن 12- آزادی ملا باز 13- میلاد ربانی

اور مندرجہ بالا معلومات رسالہ ''میلاد ربانی'' سے اخذ کی گئی ہیں۔

نہیں لکھا۔ غالباً یہ ان کا کشف ہے۔ جو تفکر طلب ہے۔

۷: مندرجہ بالا عبارت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قالب کے حق میں دلائل پر مشتمل ہے۔ درج ذیل عبارت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح کے بارے میں دلائل پر مشتمل ہوگی۔

روح کے افضل ہونے کے حق میں دلائل:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روح کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

☆ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی اور ان کے متبعین کہ جنھوں۔ نے تنزلات خمس لکھے ہیں۔ اُنھوں نے تَعَیُّنْ اوّل کی بارگاہ کے اجمال سے اعتبار کیا ہے...... اور اُس کو حقیقت محمدی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کہا ہے۔ اس کے کشف کو تجلی ذات جانا ہے۔ اور اس تعین سے اوپر لاتعین جانتے ہیں جو کہ خالص ذات اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے خالی احدیت کا مرتبہ ہے۔

☆ پوشیدہ نہ رہے کہ شان العلم سے اوپر شان الحیوٰۃ ہے کہ علم اس کا تابع ہے اور وہ تمام صفات کی ماں ہے...... کیا علم اور کیا غیر علم اور کیا حصولی اور کیا علم حضوری اور یہ حیواۃ کی شان بڑی ہی عظیم الشان شان ہے...... دوسری تمام صفات اور شیون اس کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے کہ دریا محیط کے مقابل چھوٹی چھوٹی لہریں...... عجیب بات یہ ہے کہ شیخ بزرگوار نے اس وسیع مملکت میں سیر نہیں کی ہے۔ اور اس باغ سے علوم ومعارف کے پھول نہیں چنے ہیں...... اور اگر چہ یہ شان حضرت ذات عَزَّ شانُہٗ سے بہت زیادہ قریب ہے۔ اور جہالت اور عدم ادراک کے بہت زیادہ مناسب ہے۔ لیکن چونکہ وہ تنزل اور ظلیت کا شائبہ رکھتی ہے۔ اور علم ومعرفت کے مظنہ سے ہے۔ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔

☆ جن دنوں میں یہ فقیر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس عظیم الشان حالت میں سیر کر رہا تھا' تو اس مقام کے نیچے دور بہت دور ایسا مشہود ہوتا تھا کہ شیخ نے اس جگہ ایک کٹیا بنا رکھی ہے' اور اس میں اقامت اختیار کر رکھی ہے...... شائد آخر میں شیخ نے اس مقام سے حصہ حاصل کیا ہو۔

☆ اس طرح کے بعد مسافتِ بے چوں کا بُعد دو اعتبار سے ہے...... کہا جا سکتا ہے کہ میدانِ عبارت کی تنگی ہے یا اس کی صورت مثالی ہے...... عالم مثال میں بُعد بے چونی بُعد مسافت سے مشہود ہے...... اللہ تعالیٰ پاک ہے' ہمیں صرف وہی علم ہے' جو تو نے ہمیں بتایا۔ یقیناً تو ہی جاننے والا ہے۔

والسلام مِن اتبع الھدیٰ

فصل بالخیر:

اس بیان سے لازم آیا کہ علم حیاۃ کے مرتبہ میں ثابت نہیں ہوتا۔ جو اس (علم) سے اوپر ہے...... کیا علم حصولی اور کیا علم حضوری اور جب مرتبہ حیاۃ میں علم ثابت نہ ہوگا تو مرتبہ ذات عز شانہ میں کس طرح ثابت ہوگا جو کہ اوپر سے بھی اوپر ہے...... اور جب علم ثابت نہ ہوگا تو اس کا نقیض (ضد) ثابت ہوگا...... اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

اس اشکال سے رہائی ایک باریک نکتہ کی معرفت پر مبنی ہے۔ کہ اولیاء اللہ میں سے کسی نے کم ہی اس کے متعلق گفتگو کی ہے...... جاننا چاہیے کہ اللہ جل شانہ کا علم مثلاً جیسا کہ صفات ثمانیہ حقیقیہ زائدہ سے ہے' جس طرح کہ اہل حق نے فرمایا ہے' اسی طرح شیون واعتبارات ذاتیہ غیر زائدہ سے بھی ہے...... اور جب پہلی قسم اللہ تعالیٰ کی ذات سے زائد صفات سے ہے' تو جن سے ان کا تعلق ہے' وہ بھی ذات کے سوا ہوں گے۔

اور وہ ماسویٰ خواہ عالم ہو یا اللہ تعالیٰ کی صفات زائدہ' کیونکہ جو کچھ بھی ظلیت کے داغ سے داغدار ہو چکا ہے' اور زیادتی کا نام اس پر آ چکا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ وتقدس کی ذات کے لائق نہیں ہے اور نہ اُس کا خدا تعالیٰ کی ذات سے کوئی تعلق ہے...... وہ علم خواہ حصولی ہو یا حضوری۔ اگر حضوری بھی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ اُس نے علم' عالم اور معلوم میں اتحاد پیدا کیا ہے...... کیونکہ یہ اتحاد کا مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کے ظلال میں سے ایک ظل ہے نہ کہ اس کا عین۔ اگرچہ ایک جماعت نے اس کی عینیت کا گمان کیا ہے۔

اور دوسری قسم جو شیون ذاتیہ غیر زائدہ سے ہے۔ تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور بس!...... اور اللہ تعالیٰ وتقدس اس سے بہت بلند تر ہے کہ وہ اپنی ذات پاک کے سوا تعلق پیدا کرے...... مختصر یہ کہ وہ علم جو زائد نہیں ہے اور صرف ایک اعتبار ہے' اس کا

تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے ہے' اور وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے منتفی (معدوم) ہے' وہی علم زائد ہے...... جو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ مقدسہ کے لائق نہیں ہے۔ کہ وہ علم اس علم غیر زائدہ کی شان کا ظل ہے۔ اس علم کے اٹھ جانے سے اس کے نقیض (ضد) کا ثبوت کہ جہل ہے لازم نہیں آتا' اگرچہ علم صفات کاملہ سے ہے...... لیکن اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا۔ تو اُس کا نقیض جو سراسر نقص ہے' اس کو کیا طاقت ہے کہ اس بارگاہ میں دخل پا سکے۔ [1]

مندرجہ بالا مکتوب میں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بات بیان کر رہے ہیں کہ ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے پیروکار حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کا مبداء اللہ تعالیٰ کی صفت علم بیان کرتے ہیں...... اور ساتھ یہ بھی موقف اختیار کرتے ہیں کہ صفت علم کے مرتبہ سے اوپر لاتعین جانتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں۔ جو کہ خالص ذات ہے اور تمام نسبتوں (تعلقات) اور اعتبارات (تعلقات کا شائبہ) سے خالی احدیت کا مرتبہ ہے...... لیکن امام ربانی اس بات کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اپنا موقف اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"جس صفت علم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کا مبداء کہا گیا ہے۔ اور اس کے اوپر ذات باری تعالیٰ ہے' اُس ذات کی تجلی ہی روح ہے اور ان کے درمیان کچھ اور نہیں ہے...... امام ربانی فرماتے ہیں کہ صفت علم اللہ تعالیٰ کی ذاتی وقدیمی صفت ضرور ہے' لیکن اس صفت کے مرتبہ کے اوپر صفت حیات ہے...... اور صفت حیات اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو تمام صفتوں سے بلند ہے...... اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی قدیمی صفات آٹھ ہیں' ساتویں صفت علم اور آٹھویں صفت حیات ہے...... سب سے اوپر اور بلند صفت حیات اور سب سے نیچے صفت تکوین ہے...... جس طرح اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات ہیں' اس طرح اللہ تعالیٰ کی آٹھ ہی شانیں ہیں۔ جن کا مرتبہ آٹھ صفات سے اوپر اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے صفات ہیں...... اور ان میں ساتویں شانِ علم اور آٹھویں شان حیاۃ ہے۔ پھر ان کے بعد لاتعین ہے۔ یعنی ذات باری تعالیٰ ہے...... گویا صفت علم لاتعین سے شانِ علم کے مرتبہ سے درجات میں آٹھ درجات اور نیچے ہے۔ جب کہ شانِ

مکتوب نمبر 73 (دفتر سوم) ص 197\1448)

[1] (نوٹ) مکتوب کافی طویل ہے۔ حسب ضرورت عبارت کو نقل کیا گیا ہے۔

علم سے اوپر شان حیوٰۃ ہے اور اس سے اوپر لاتعین ہے۔ یعنی ذات باری تعالیٰ اور صفت علم کے درمیان بہت سے حجاب ہیں۔ اس لیے صفتِ علم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روح کا مبدا نہیں ہوسکتا۔"

مکتوب کی باقی عبارت ...... حضرت آدم علیہ اور عام انسانوں کی روح کے بارے میں ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح مبارک کے مبداء کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

مکتوب نمبر 76 دفتر سوم جو اپنے صاحبزادہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے نام لکھا تھا جو شان علم کی بلندی اور اس مرتبہ مقدسہ کا بیان جو اس سے اوپر ہے...... جسے خالص نور کہا جاتا ہے۔

1- **شان العلم** اگرچہ **شان الحیوۃ** کے تابع ہے۔ لیکن علم کو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ ذات میں صفات وشیون (شان کی جمع) کے اعتبار کے سقوط کے بعد ایک ایسی شان اور گنجائش ہے، کہ وہ حیوٰۃ کو بھی نہیں ہے...... پھر دوسری صفات اور شیون کا کیا حال ہے۔ وہ ایک مرتبہ ہے جو تمام نسبتوں سے تجرد کا مقام ہے۔ کہ اطلاق نور کے علاوہ اپنے لیے کچھ تجویز نہیں کرتے...... میں (امام ربانی) جانتا ہوں کہ علم کو بھی اس جگہ گنجائش ہے۔ لیکن وہ علم نہیں جس کو حصولی یا حضوری کہتے ہیں۔ وہ اپنی دونوں قسموں کے ساتھ حیوٰۃ کا تابع ہے۔ بلکہ وہ علم اللہ تعالیٰ کی طرح بے چون و بے چگون ہے۔ اور وہ سب بے چون شعور ہی شعور ہے۔ اس میں عالم و معلوم کا اعتبار نہیں ہے۔

2- اور اس مرتبہ کے اوپر ایک مرتبہ ہے۔ کہ علم کو بھی دوسرے شیون کی طرح اس مقام میں گنجائش نہیں ہے...... اس جگہ سب نور ہے۔ کہ اس کا اصل بے چون و بے چگون شعور ہے...... اور جب حضرت نور کا ظل بھی بے چوں بے چگون ہے، تو اصل جو کہ عین نور ہے، کی بے چونی و بے چگونی کے متعلق کیا کہوں؟ ...... اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اور تمام کمالات خواہ وجوبی ہوں یا امکانی، نور کے ظلال ہیں...... اور نور کے ساتھ قائم ہیں...... وجود بھی نورِ وجود سے ظاہر ہوا ہے۔ اور

مبداء آثار ہوا ہے...... پہلا (مرتبہ) جو کہ حضرت نور سے صرف انحطاط کی بو رکھتا ہے اور نور و شعور کا جامع ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مخلوق کہا ہے۔ اور کبھی اس کو عقل سے تعبیر فرمایا ہے...... اس جگہ آپ نے فرمایا:

اَوّلُ ماخَلَقَ اللّٰہُ العَقْلُ.

''سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ عقل ہے''

اور کبھی اس کو نور سے یاد فرمایا اور کہا:

اَوّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ

''سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے''

اور یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ یہی نور ہے اور یہی عقل و شعور اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ کی اپنی طرف نسبت کی ہے ''میرا نور'' فرمایا ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ تھا۔ اور یہ تعین اول ہو گا۔ نہ وہ حقیقت اول جو کہ متعارف ہو چکی ہے...... کیونکہ وہ تعین اگر اس تعین کا ظل ہو تو بھی غنیمت ہے۔ کیونکہ اس عقل سے مراد وہ عقل نہیں ہے کہ (فلاسفہ نے اس کو اللہ تعالیٰ سے بطریق اضطرار ''صادر اوّل'' کہا ہے۔) اور اس کو صدور کثرت کا مصدر بنایا ہے۔

3- جاننا چاہیے کہ جس جگہ بھی تعین ہے۔ اس میں امکان کی بو ہے۔ اور عدم کی بو اس کے ہمراہ ہے...... جو تعین و تمیز وجود کا باعث ہوا

وبِضِدِّھَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاء

''چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں''

اللہ تعالیٰ کی صفات جنھوں نے تعین و تمیز پیدا کیا ہے وہ باوجود قدیمی ہونے کے واجب لذاتہا نہیں ہیں۔ بلکہ واجب لذات الواجب ہیں کہ اس کا حاصل وجوب بالغیر ہے...... جو کہ امکان کی اقسام میں سے ہے۔ اگرچہ صفات قدیمہ میں امکان کے لفظ سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے (حدوث کا وہم) ہوتا ہے۔ اور اس جگہ مناسب وجوب حدوث کی ضد وجوب کا اطلاق ہے۔ جو کہ ذات واجب سے آیا ہے...... لیکن حقیقت میں اس جگہ امکان کی گنجائش ہے۔

کیونکہ ان کا وجوب ذاتی نہیں ہے۔ اور غیر کی طرف سے آیا ہے۔ اگر چہ اس کو غیر یہ کہیں گے۔ اور اصطلاحی غیر کہیں گے۔ لیکن دو (اثنینیت) غیریت کا تقاضا کرتی ہے۔ دو آپس میں متغائر ہوتے ہیں۔" ...... یہ ارباب معقول کا مسئلہ ہے۔

4- عجب معاملہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے دو تعین کو وجوبی کہا ہے۔ اور تین تعین کو امکانی ...... لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ تمام تعینات ظلیت کا داغ اور امکان کی بو رکھتے ہیں...... اگر چہ ممکن کا ممکن تک بڑا فرق ہے۔ ایک قدیم ہوتا ہے اور دوسرا حادث لیکن یہ سب امکان کے دائرہ سے خارج نہیں ہیں۔ اور عدم کی بو رکھتے ہیں۔

5- دوسرا مرتبہ جو خالص نور ہے۔ اور لا تعین سے متعین ہے۔ اس کو بھی دوسروں کی ذات محض اور احدیث مجردہ خیال نہ کریں کہ وہ بھی نورانیت کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے۔ کہ

اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفُ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَۃٍ

(اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں اگر چہ تعین نہیں ہے۔ لیکن مطلوب حقیقی کا حجاب ہے۔ اگر چہ یہ آخری حجاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے...... یہ نور چونکہ تعین کے دائرہ میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا عدم کی ظلمت سے منزہ و مبرا ہے۔ کہ وَ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی

(اور اللہ تعالیٰ ہی صفات بلند ہے)

اس کی مثال نور آفتاب کی شعاعوں کی سی ہے۔ جو کہ سورج کی ٹکیا کا حاجب ہیں اور قرص (ٹکیا) آفتاب کے عین سے منتشر ہو کر اس کا حجاب ہو گئی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے:

حِجَابُہُ النُّوْرُ (اس کا حجاب نور ہے) اور یہ بلند مرتبہ تجلیات ذاتیہ سے اوپر ہے...... پھر تجلیات فعل و صفت کے متعلق کیا کہوں کہ تجلی تعین کے بغیر اور کسی آمیزش کے بغیر متصور نہیں ہے...... اور یہ مقام تمام تعینات سے اوپر ہے۔ لیکن ان تجلیات ذاتیہ کا منشا وہی خالص نور ہے۔ اور تجلی اس کے واسطہ کے بغیر متصور

نہیں ہوسکتی۔اگر وہ نہ ہو تجلی حاصل نہیں ہوتی۔

6- اور کعبہ ربانی کی حقیقت میں (امام ربانی) سمجھتا ہوں کہ یہی نور ہے۔ جو کہ سب کا مسجود ہے۔اور تمام تعینات کا اصل ہوا ہے...... اگرچہ تجلیات ذاتیہ کا ملجاو ماویٰ یہی نور تھا تو دوسروں کی مسجودیت سے اس کی کیا تعریف کروں اور جب اللہ تعالیٰ کا کمال فضل و کرم ہزاروں میں سے کسی عارف کو اس دولت کے وصول سے مشرف کرتا ہے۔اور فناء و بقاء سے اس مقام میں سرفراز فرماتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ بقا اُسی نور سے حاصل ہو۔اور فوق الفوق سے وافر حصہ پائے اور نور کے ساتھ نور سے گزر کر اصل نور تک پہنچ جائے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

7- یہ علوم جس طرح نظر و فکر سے بالا ہیں۔اسی طرح کشف اور شہود سے بھی بالا ہیں...... اور یہ بھی ہے کہ ارباب کشف و شہود اس معلوم کے سمجھنے میں اہل علم و عقل کی طرح ہیں۔ نبوت کی فراست کا نور چاہیے جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات کی متابعت سے ان حقائق کو پالینے کی ہدائت فرمائے۔اور ان علوم و معارف کو پالینے کی دلالت کرے۔

8- یہ جاننا چاہیے کہ یہ نور دوسرے انوار کی طرح ہرگز نہیں ہے۔ جو امکان کا شائبہ رکھ کر ممکن ہو۔یا جوہر عرض کی جنس سے ہو...... وہ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ نور کے علاوہ اس پر کسی چیز کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا اگرچہ وجوب وجودی کیوں نہ ہو کہ وجوب اس سے نیچے ہے۔

تنبیہ

9- اس بیان سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام حجابات کا دور ہو جانا اس عارف کے حق میں متحقق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تمام حجابات میں سے آخری حجاب اسی نور کو کہا ہے۔اور اُس کا زوال ممتنع ہے۔اس حدیث کی رو سے جسے نقل کیا ہے:

اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ حِجَابٌ مِنْ نُوْرٍ وَ ظُلْمَۃٍ لَوْ کَشَفَت لاحرقت سبحات وَجھہ ما انتھا الیہ بصُوۃ مِنْ خَلْقِہٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نور وظلمت میں ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر وہ دور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار ہر اس مخلوق کو جلا کر رکھ دیں جہاں تک اُس کی نظر جائے۔

کیونکہ اس جگہ تحقق اور بقا حجابات سے ہے۔ جو کہ ایک دوسرے کے لیے اسباب (عروج) ہیں نہ کہ حجابات کا دور ہونا۔ اوران دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنائت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی مَنِ النتبع الهدیٰ[1]

مندرجہ بالا مکتوبؒ کی عبارت کے پیرے تعداد میں نو شمار ہوتے ہیں۔ ہر پیرا کی تشریح الگ الگ بیان کی جاتی ہے:

پہلے پیرا کی تشریح:

i- یہاں صفات سے مراد وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذاتی قدیمی ہیں جن کے لیے لفظ زائدہ استعمال میں لایا جاتا ہے۔

ii- شیون: شان کی جمع شیون ہے...... امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذاتی قدیمی صفات زائدہ کی تعداد آٹھ بیان فرمائی سب سے نیچے صفت تکوین ہے۔ اور سب سے بلند مرتبہ صفت حیوٰۃ ہے...... اسی ترتیب سے شانیں ہیں سب سے نیچے شان تکوین اور سب سے بلند مرتبہ شانِ حیوٰۃ ہے...... جس طرح صفت علم، صفت حیوٰۃ سے نیچے مرتبہ رکھتی ہے، اسی طرح شان علم بھی شانِ حیوۃ سے نیچے مرتبہ رکھتی ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کا مبداء شان علم بیان کرتے ہیں جب کہ ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کا مبداء صفت علم بیان فرمایا ہے..... امام ربانی شان علم کی شان بیان کرتے ہوئے یہ واضح کرتے ہیں کہ باوجودیکہ شان علم شان حیوۃ کے تابع ہے۔ لیکن شان علم میں ایک ایسی خوبی ہے، ایسا حسن ہے، ایسا وصف کمال ہے، جو شان حیوٰۃ کو بھی حاصل نہیں۔ وہ وصف اور خوبی کیا ہے؟ اس کا ذکر ایک اور مکتوب میں بیان کرتے ہیں کہ روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور حُبی ہے۔ جس کا مرتبہ شان حیوٰۃ سے بھی اوپر ہے۔ وہ

---

[1] مکتوب نمبر 76، دفتر سوم، ص 15 تا 17، 1435 تا 1477

ظہور حُبی ہی تعین اول ہے۔یعنی روح رسول اللہ ہے جس سے بلند لاتعین ہے۔یعنی ذات باری تعالیٰ ہے......اور ظہور حبی جو جو ہر محبت ہے۔وہ خالص نور ہے۔بلکہ وہ شعور ہی شعور ہے...... یہاں علم کی گنجائش نہیں ظہور حبی کی حقیقت کیا ہے اس کی وضاحت آخر میں کی جائے گی۔

دوسرے پیرے کی تشریح:

وہ نور جو شعور ہی شعور ہے۔اس کا اصل بے چون و بے چگون شعور ہے......
ذات نور بے چوں و چگون کا ظل ہے۔جب وہ بھی بے چون و بے چگون ہے۔تو امام ربانی فرماتے ہیں کہ پھر اصل ۔بے چون و بے چگون کے بارے میں کیا کہوں؟ یعنی اس کے بارے میں کچھ کہنے سے عاجز ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بے چوں بے چگوں نور کو مخلوق کہا ہے۔اور تخلیق اول جو نور و شعور کی جامع ہے۔تمام کمالات خواہ وہ وجوبی ہوں یا امکانی اسی کے ظلال ہیں۔اور اسی کے ساتھ قائم ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی تخلیق اول کے بارے میں فرمایا ہے:

☆ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ عقل ہے۔

☆ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

حضور نے نور کو "میرا نور" کہا ہے۔جس سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ یہ نور ہی حقیقت محمدی ہے۔جو تعین اوّل ہے...... اس کے بعد مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ وہ

اسماء صفات اور شیون کی وضاحت:۔

ا۔ اسماء: اللہ تعالیٰ نے کائنات کا دائرہ اجساد (عالم اجساد) کو اپنے اسماء کا مظہر بنایا ہے۔جس دائرہ کے امیر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔جن کو اللہ تعالیٰ نے اسماء کا علم سکھایا تھا۔

صفات: اللہ تعالیٰ نے کائنات کا دائرہ ارواح یعنی عالم ارواح کو اپنی صفات کا مظہر بنایا۔جس دائرہ کے امیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بصورت احمد ہیں۔(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

شیون: اللہ تعالیٰ کے شیون کا جہان کائنات کے مذکور بالا دونوں دائروں سے باہر واضح ہوتا ہے۔

ظہور حبی: اس مقدس و تقدس مآب کا مرتبہ شیون سے بھی بلند تر ہے۔جس کے بارے میں آخر میں بیان ہو چکا ہے۔

مندرجہ بالا وضاحت مکتوبات کے مطالعہ کے درمیان اخذ ہوئی جس کو یہاں درج کر دیا گیا ہے۔

حقیقت محمدی جس کا ذکر اکثر مجالس میں ہوتا ہے۔ اور لوگوں میں پہچانی جاتی ہے۔ یہاں وہ مراد نہیں ہے...... مندرجہ بالا عبارت میں جو حقیقت محمدی مراد ہے' وہ اس معروف حقیقت محمدی سے اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ معروف اس کا ظل ہو تو بھی غنیمت ہے...... امام ربانی رضی اللہ تعالی عنہ کی مراد حقیقت محمدی کے امتیاز کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تین پرتوں کی جامع ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

☆ حقیقت محمودی...... یہ وہی ہے جس کا مبداء شان علم ہے اور ظہور جسہ ہے...... اہل تصوف نے اس کو "حقیقت محمودی" کے نام سے تعبیر کر لیا ہے۔

☆ حقیقت احمدی...... یہ ایک ایسا لباس ہے جس میں حقیقت محمودی مستور ہے۔

☆ حقیقت محمدی...... یہ ایک ایسا لباس ہے۔ جس میں حقیقت احمدی مستور ہے۔

روح کے مندرجہ بالا تین پرتوں کو مزید واضح کرنے کے لیے انسان کے وجود کی مثال بیان کی جاتی ہے۔ جس کے تین پرت ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

☆فواد: یہ ایک نقطہ یا مرکزہ کی صورت میں ایسا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہے' جس سے کوئی دیگر ذرہ چھوٹا نہیں ہے...... اگر اس کو ایٹم کہا جائے تو درست ہوگا۔ یہ فواد انسان کے قلب کے اندر پایا جاتا ہے۔

☆قلب: یہ ایک ایسا لباس ہے۔ جس میں فواد مستور ہوتا ہے۔

☆قالب: یہ ایک ایسا لباس ہے۔ جس میں قلب مستور ہوتا ہے۔

گویا جس طرح انسان کا وجود تین پرتوں کا جامع ہے اسی طرح روح بھی تین پرتوں کا مجموعہ ہے...... آخری جملہ یہ ہے کہ اس روح کو صدور کثرت کا مصدر بنایا۔ گویا جس قدر کائنات کی انواع کے مصادر ہیں...... ان سب کا مصدر وہی نور ہے۔ جس کی تشریح آخر میں کی جائے گی۔

پیرا نمبر تین کی تشریح:

تعین: ہر وہ وجود جس کے استقرار کے لیے ظرف "تعین" درکار ہے۔ جیسے کسی خیال کے لیے ذہنِ انسانی ظرف ہے۔ بلکہ اس سے بھی لطیف اور لطیف تر مثال قائم کریں تو بھی اس تعین کا مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوتا ہے...... صرف اس بلند مرتبہ تعین کو

بیان کرنے کی خاطر یہ مثال دی گئی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کسی ظرف میں نہیں سما سکتا' اس لیے اس پاک بارگاہ کے لیے لاتعین کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جہاں تعین کا اطلاق ہوگا' اس کے لیے ظرف (امکان) کی گنجائش ہے۔

لہٰذا وہ صفات ذاتی قدیمی جن کو زائدہ کہا گیا ہے۔ اگر وہ نہ بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے لاتعین پر ایسا ہی ہے جیسا وہ تھا...... لہٰذا ان صفات کو ذات لاتعین کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر ہدائت فرماتے ہیں اگرچہ صفات قدیمیہ ہیں' امکان کے لفظ سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے حدوث (فنا) کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس باریک اور لطیف نکتہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں چونکہ یہ صفات اپنے وجود سے قائم نہیں بلکہ ذات سے قائم ہیں۔ اس لیے ان میں امکان کی گنجائش ہے۔

پیرا نمبر چار کی تشریح:

امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عربی کے موقف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جن تعینات کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف انھوں کی ہے۔ وہ سب کے سب ظلیت اور امکان کی بو رکھتے ہیں۔ پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگرچہ ممکن کا ممکن تک بڑا فرق ہے۔'' ...... یعنی ممکن دو قسم پر ہیں:

☆ ایک ممکن وہ ہے جو قدیم ہوتا ہے۔

☆ دوسرا ممکن وہ ہے جو حادث ہوتا ہے۔

لیکن یہ سب امکان کے دائرہ سے خارج نہیں ہیں اور عدم کی بُو رکھتے ہیں۔

پانچویں پیرا کی تشریح:

اس پیرا میں اُس نور خالص کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا نور فرمایا ا سے بھی ذات باری تعالیٰ نہ جانیں بلکہ وہ بھی اس ذات لاتعین کے درمیان نوری پردہ ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار پردے ہیں۔ اور یہ نوری پردہ کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کی شعاعیں سورج کی ٹکیا کو دیکھنے سے نگاہوں کو

عاجز کر دیتی ہیں۔

چھٹے پیرا کی تشریح:

امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بارے فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ کعبہ کی حقیقت یہی نور ہے۔ جو سب کا مسجود ہے۔ اور تمام تعینات کا اصل ہے۔ اور تجلیات ذات کا مقصود یہی نور تھا۔ جب اُس کی یہ بلند شان ہے۔ تو دوسروں کی مسجودیت کی تعریف کیسے ہو سکتی ہے...... اس کے بعد امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ جس عارف کا ذکر کرتے ہیں اس سے مراد ان کی اپنی ذات ہے۔

اپنے کمالات اور بلند مراتب کی خبر دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب کسی عارف کو اس دولت کے وصول سے مشرف فرماتے ہیں' اور فنا و بقا سے اس مقام میں سرفراز فرماتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ وہ فنا و بقا اسی نور سے حاصل ہو...... اور فوق الفوق (ذات باری) سے وافر حصہ پائے اور نور کے ساتھ نور سے گزر کر فنا و بقا کا حصول پا کر اصل نور (لاتعین) تک پہنچ جائے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

ساتویں پیرا کی تشریح:

امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھٹے پیرے میں بیان فرمایا ہے کہ عارف جب نور سے فنا و بقا سے واصل ہو کر بلندی کی طرف عروج کرتا ہے۔ تو وہ اصل یعنی لاتعین سے جو فوق الفوق ہے' سے خاص دولت سے وافر حصہ پالیتا ہے۔ گویا وہ وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں پر دوسروں کا علم نہیں پہنچ پاتا اور ان کے کشف اور شہود اس کے پانے سے عاجز ہیں...... ہاں نبوت کی فراست کا نور درکار ہے۔ جو امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا۔ تو اُنھوں نے ان حقائق اور علوم و معارف کو بیان کیا ہے۔

آٹھویں پیرے کی تشریح:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور دوسرے انوار کی طرح ہرگز نہیں ہے۔ جو امکاں کا شائبہ رکھ کر ممکن ہو...... جو خالص نور ہے اس کے علاوہ اس پر کسی دوسری شے کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔

نویں پیرے کی تشریح:

اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار حجابات (پردے) ہیں۔ اور سب سے آخری پردہ وہ نور ہی ہے۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میری ذات ستر ہزار حجاب میں مستور ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے حجابات کیا ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کن ستر ہزار حجابات میں مستور ہیں ان پر بحث آگے ہوگی...... مندرجہ بالا تشریح کے دوران وضاحت طلب باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

1- پیرا نمبر 1 میں ''ظہور حبی'' کی حقیقت وضاحت طلب ہے۔

2- پیرا نمبر 2 میں اس خالص نور کی جو ظہور حبی ہے۔ وہ صدور کثرت کا مصدر کس طرح ہے۔

3- پیرا نمبر 3 میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درج ذیل دو احادیث وضاحت طلب ہیں:

i- اللہ تعالیٰ کے نور وظلمت میں ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر وہ دور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار ہر اس مخلوق کو جلا کر رکھ دیں جہاں تک اُس کی نظر جائے۔

ii- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستر ہزار پردوں میں مستور ہے۔

مندرجہ بالا تین امور کی وضاحتیں ترتیب وار نیچے درج کی جاتی ہیں:

1- ظہور حبی کی حقیقت کے بیان کرنے سے پہلے بطور تمہید چند سطور لکھی جاتی ہیں:

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست مولانا محمد حسن دہلوی علیہ الرحمہ کو اپنی عمر کے آخری حصہ میں بلکہ وصال سے قلیل عرصہ پہلے جو خط لکھا تھا۔ اس خط میں آپ نے بعض حقائق ومعارف کو سوال وجواب کی صورت میں لکھا ہے۔ جس کی دو وجوہات واضح ہوتی ہیں۔

i- جن حقائق اور معارف کو امام ربانی بیان کرنا چاہتے ہیں وہ اچھی طرح اہل طلب کے فہم میں آسانی سے منتقل ہو جائیں۔

ii- جن حقائق اور معارف پر امام ربانی بات کرنا چاہتے ہیں وہ حقائق ومعارف چونکہ پہلی بار سامنے لائے جا رہے ہیں لہٰذا ان کے بارے میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے۔ جو ان کے بارے میں سوالات کر کے آپ سے ان کے بیان کرنے کی درخواست کرتا۔ اس لیے آپ نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے سوالات خود تجویز فرمائے اور پھر ان کا جواب لکھ دیا۔ تاکہ آنے والی نسلیں ان بلند و بالا فوق الفوق حقائق ومعارف سے آشنا ہو سکیں۔ [1]

ظہور حبی کی حقیقت:

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہور حبی کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

سوال: تعین وجودی کو تعین حبی کا ظل کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وجود کو حب پر سبقت ہے۔ کیونکہ حب وجود کی فرح ہے۔

جواب: اس فقیر نے اپنے رسائل (مکتوبات) میں تحقیق کیا ہے۔ کہ حق سبحانہ تعالیٰ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود سے...... اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات ثمانیہ (آٹھ) بذات واجب موجود ہیں۔ نہ کہ وجود سے کہ وجود بلکہ وجوب کو بھی اس مرتبہ میں گنجائش نہیں ہے...... کہ وجود اور وجوب دونوں اعتبارات سے ہیں۔ پہلا اعتبار جو ایجاد عالم کے لیے پیدا ہوا وہ حب ہے...... اس کے بعد اعتبار وجود ہے۔ جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بغیر اعتبار اُس حب کے اور بغیر اعتبار اس وجود کے عالم سے اور ایجاد عالم سے استغنا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ۔ (اللہ تعالیٰ جہانوں سے بے نیاز ہے)...... نص قطعی ہے۔ اور تعین علمی جملی کو ان دو تعینات کا ظل کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ

---

[1] (نوٹ): راقم ابن فقیر حبیبی جہاں اس جستجو میں مصروف ہے۔ کہ جسم افضل ہے یا روح اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کو بیان کرنے کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ اور تیسرا پہلو یہ ہے کہ وہ علماء کرام اور مشائخ عظام جو اپنے دین کی نشر و اشاعت میں عدیم الفرصت ہونے کے باعث ان امور پر توجہ نہیں دے سکتے ان کی نظر سے فتوی کی غرض سے گزر جائیں گے۔ اور یہ تحقیق ایک دستاویز کی حیثیت حاصل کر لے گی۔ علماء کرام کی مہربانی سے یہ سند کا کام دے گی۔

تعین باعتبار حضرت ذات تعالیٰ کے ہیں...... بغیر ملاحظہ صفات کے اور اس تعین میں ملحوظ صفت ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ظل کی طرح ہے۔

-2 جاننا چاہیے کہ تعین اوّل جو کہ تعین حبی ہے۔ جب دقت نظر کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مرکز کا تعین حُب ہے۔ جو کہ حقیقت محمدی (حقیقت محمودی) ہے۔ علیہ علی و الہ الصلوٰۃ والسلام ...... اور اُس دائرہ کا محیط صورتِ مثال میں دائرہ کی طرح ہے۔ اور وہ محیط اس مرکز کے لیے ظل کی طرح ہے' خلت ہے۔ جو کہ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت ہے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا روح کا مبداء ہے) پس حُب اصل ہوئی اور خلت اس کے لیے ظل کی طرح ہوئی۔ اور یہ مرکز محیط کا مجموعہ ہے۔ جو ایک دائرہ ہے۔ تعین اوّل ہے...... اور اس کا نام اس کے اسبق و اشرف اجزاء کے نام پر ہے۔ جو کہ مرکز ہے۔ اور حب سے عبارت ہے...... اور نظر کشفی میں بھی باعتبار اصالت اور اُس جز کے غلبہ کے تعین حبی ہی کو ظاہر کرتا ہے۔ اور چونکہ محیط دائرہ اس مرکز کے لیے ظل کی طرح ہے۔ اور اُسی سے پیدا ہوا ہے۔ اور وہ مرکز اس کا مرکز و منشا ہے۔ اس محیط کو اگر تعین ثانی بھی کہیں تو گنجائش رکھتا ہے۔ لیکن کشف نظری میں دو تعین نہیں ہیں' بلکہ ایک تعین ہے۔ جو کہ حب اور خلت پر مشتمل ہے۔ جو کہ ایک ہی دائرہ کے محیط و مرکز ہیں اور تعین ثانی در نظر کشفی تعین وجود ہے۔ جو کہ تعین اوّل کے لیے ظل کی طرح ہے۔ جیسے کہ پہلے گزر چکا۔

-3 اور چونکہ مرکز محیط کا اصل ہے۔ تو لازماً محیط کو مطلوب کے وصول میں مرکز کے توسط سے چارہ نہیں ہے...... کیونکہ مطلوب (ذات باری تعالیٰ) تک وصول مرکز کی راہ سے ہے۔ جو کہ دائرہ کا اصل و اجمال ہے...... اس بیان سے حضرت حبیب اللہ کی حضرت خلیل اللہ سے اتحاد و مناسبت معلوم کرنی چاہیے۔ علیھما و علیٰ جمیع الانبیاء و المرسلین الصلوات والتسلیمات ...... اور چونکہ اصل واسطہ ہے ظل کے مطلوب تک پہنچنے کا' تو لازمی طور پر حضرت خلیل اللہ نے حضرت حبیب اللہ سے واسطہ چاہا ہے۔ اور اُس کی آرزو کی ہے۔ کہ اس

امت میں داخل ہوں جیسا کہ وارد ہوا ہے۔:

علیھما و علی جمیع الانبیاء الصلوٰات والتحیات، تمھا و اکملھما۔ [1]

مکتوب نمبر 122 کی مندرجہ بالا عبارت میں ظہور حبی کی حقیقت واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ نیچے درج کیا جاتا ہے...... چونکہ مندرجہ بالا عبارت تین حصوں یا تین پیروں پر مشتمل ہے۔ اس لیے تینوں پیروں کا خلاصہ یکے بعد دیگرے ترتیب سے لکھا جاتا ہے:

پہلے پیرے کا خلاصہ:

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ذات خود موجود ہے۔ نہ کہ وجود سے۔...... پھر اس کی صفات ثمانیہ بذات واجب موجود ہیں نہ کہ وجود سے...... کہ وجود بلکہ وجوب کو بھی اس مرتبہ میں گنجائش نہیں ہے...... اللہ تعالیٰ کے لیے وجود اور صفات کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد دو اعتباروں کا ذکر کیا ہے:

پہلا اعتبار وجوب اور دوسرا اعتبار وجود ہے......

☆ پہلا اعتبار وجوب (تعین) حب ہے، جو ایجاد عالم کا باعث ہوا۔

☆ دوسرا اعتبار وجود (تعین ثانی) ہے۔ جو ایجاد کا مقدمہ ہے......

یہاں مقدمہ سے مراد یہ کہ جس طرح کسی کتاب کے اندر درج باتوں کا مفہوم اور منشا کتاب سے پہلے لکھ دیا جاتا ہے۔ وہ مقدمہ کہلاتا ہے حالانکہ اصل کتاب بعد میں پڑھی جاتی ہے...... اسی طرح وجود بھی مقدمہ ہے اور "حب" اصل ہے۔ جس کو امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دائرہ کی مثال دے کر واضح کرتے ہیں...... یعنی جس طرح دائرہ میں ایک مرکزی نقطہ ہوتا ہے۔ جس پر پرکار کے ایک بازو کو رکھ کر پرکار کے دوسرے بازو کو گھمایا جاتا ہے۔ تو ایک دائرہ بن جاتا ہے۔ جس کا مطلب اور معنی یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ مرکزی نقطہ قائم اور مقرر ہوا جس پر پرکار کا پہلا بازو رکھا گیا تھا...... اگر وہ نقطہ نہ ہو تو دائرہ نہیں بن سکتا...... اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ خالص نور ایک مرکزی نقطہ ہے اور اُس نوری نکتہ سے چاروں طرف نکلتی ہوئی شعاعوں کے دائرے کا محیط ہی

۱۔ مکتوب نمبر 122، دفتر سوم ص 1609\1610، 149\150

مقدمہ ایجاد ہے۔..... وہ محیط ہی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام کی روح کا مبداء ہے۔ جس کا اصل اور اجمال مرکزی نقطہ حب ہے۔ لیکن جب مرکز اور محیط کو دور سے دیکھا جاتا ہے۔ تو دور سے وہ ایک ہی نظر آتا ہے۔ دائرہ کے مرکزی نقطہ اور محیط دونوں کو درج ذیل نقشہ کی مدد سے دکھایا جاتا ہے:

نقشہ میں حرف (م) سے مراد مرکزی نقطہ (محبت) ہے..... اور حرف (خ) سے مراد دائرہ (خلت) ہے..... اگر مرکزی نقطہ نہ ہو تو دائرہ قائم ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ گویا مرکزی نقطہ زمین ہے اور محیط اس پر عمارت ہے۔ یا مرکزی نقطہ بنیاد ہے اور محیط بطور عمارت ہے..... تعین اول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں کا مبداء ہے..... جب دور سے دیکھا جائے تو ایک نظر آتا ہے۔ لیکن جب اس دائرہ کی سیر کی جائے تو پھر اس کے اصل راز سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ یہاں نقشہ کے لئے خالی جگہ چھوڑنا لازم ہے۔

محیط۔ خ (خلت)
دائرہ ظہور حبی
مرکز
م (محبت)
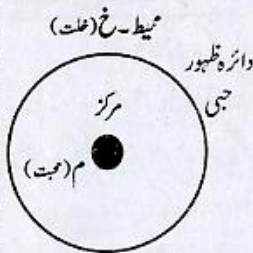
سیر دو طرح کی ہے: سیر نظری۔ اور سیر قدمی..... امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیر نظری اور سیر قدمی کی تفصیل اپنے کسی مکتوب میں بیان فرمائی ہے۔ اس کا بیان یہاں ضروری نہیں۔ قارئین کی معلومات کی خاطر لکھ دیا ہے تا کہ وہ جب ضرورت محسوس فرمائیں مکتوبات میں سے تلاش کرلیں۔

ظہور حبی کی وضاحت اوپر بیان ہو چکی اب دوسرے پہلو کی تشریح کی جاتی ہے۔

ii- ظہور حبی٬ صدور کثرت کا مصدر کس طرح ہے؟

جان لیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقت یعنی اسماء الٰہی میں سے ان کا رب جو کہ ان کا مبداء متعین ہے٬ بغیر کسی امر کے توسط کے حقیقت محمدی کا ظل ہے۔ اس طریقہ پر جو کچھ اس حقیقت میں ثابت ہے٬ بطریق تبعیت و وراثت اس ظل میں بھی ثابت ہے..... یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت کے وارثوں میں سے اکمل و افضل ہوئے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں ڈالا ہے۔ وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا ہے۔''

اور یہ بھی واضح ہوا ہے کہ اسرافیلی حقیقت بھی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وہی حقیقت محمدی ہے۔ علیہ و علی جمیع اخوانہ الصلوٰۃ والسلام بطریق اصالت و ظلیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقت کی طرح جو کہ اس حقیقت کا ظل ہے...... بلکہ اس جگہ دونوں حضرت صدیق اور حضرت اسرافیل) اصالت رکھتے ہیں اور ظلیت درمیان میں حائل نہیں ہے...... اگر فرق ہے تو کلّیت اور جُزئیت کا فرق ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت انہی کے نام موسوم ہے۔ علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کرام علی نبینا و علیھم الصلوہ والسلام کے حقائق اسی اسرافیلی حقیقت سے پیدا ہوئے ہیں علی نبینا و علیھم الصلوٰۃ والسلام [1]

مندرجہ بالا عبارت میں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنی نوع انسان میں امت محمدیہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقت کی تفصیل بیان فرمایا......اور نوع ملائکہ کو حضرت اسرافیل علیہ السلام کی حقیقت کی تفصیل بتایا ہے......اور یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کا ظل ہیں اور اصالت میں شریک ہیں۔

لہٰذا جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت محمدیہ کے مصدر ہیں اسی طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام کی حقیقت بھی تمام ملائکہ کے حقائق کی مصدر ہے...... ان دونوں کے حقائق اپنی اپنی نوع کے صدر ہیں اور روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حقائق کا مصدر بھی ہے...... اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت تمام صدورِ کثرت کی مصدر ہے۔

iii- پیرا 9 میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جن دو احادیث کی وضاحت درکار ہے وہ درج ذیل ہیں:

1- **حدیث اول کا مفہوم:**

اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت میں ستر ہزار پردے ہیں اگر وہ دور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار ہر اس مخلوق کو جلا کر رکھ دیں اور جہاں تک اس کی نظر جائے۔

2- **حدیث دوم کا مفہوم:**

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ستر ہزار حجابات میں مستور ہوں۔

---

[1] مکتوب نمبر 122 'دفتر سوم ص 1113\153

اگر ان میں سے ایک پردہ اٹھا دیا جائے تو دنیا کے تمام حسن ماند پڑ جائیں۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں جب ستر ہزار حجابات پر غور کیا جاتا ہے۔ تو ایسا واضح ہوتا ہے کہ ایک ایسی عمارت ہے جو ستر ہزار منازل پر مشتمل ہے...... اس عمارت کی سب سے اوپر کی منزل سے اوپر ذات خداوندی ہے اور سب سے نیچے والی منزل میں ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ عمارت ان دونوں ذاتوں کے درمیان ستر ہزار پردوں کی صورت میں حائل ہے...... اگر سب سے نیچے والی ذات کو اوپر والی ذات کے پاس پہنچنا مقصود ہو تو اسے ایک ایک کر کے ستر ہزار منازل کو عبور کر کے اوپر جانا ہوگا۔

تنبیہ:

مندرجہ بالا عبارت میں ذات باری تعالیٰ کے وجود کی مثال دی گئی ہے یہ صرف اظہار مفہوم کے لیے ہے...... اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے مقام کے بارے میں ہرگز کوئی تعین نہیں ہے وہ ذات ہر جہت سے وارء الوراء ہے...... مندرجہ بالا عبارت میں ذات باری تعالیٰ کے بارے بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ کس طرح ستر ہزار پردوں سے وراء ہے...... اور ان کو محیط ہے لیکن یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ستر ہزار حجابات میں کس طرح مستور ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسا واضح ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نور نبی (روح محمدی) کو اس بلند مقام پر پیدا فرما کر نیچے کی طرف روانہ کیا تو جس راستہ سے وہ روح نیچے اترا وہ صراط مستقیم کہلایا...... جو ایک سیڑھی کی صورت میں ہے اور وہ ستر ہزار منزلیں ہی وہ حجابات ہیں جن سے باری باری روح گزرتا ہوا نیچے اترا تھا۔ جیسے ہی روح پہلی منزل طے کرتا تو اسے اس منزل کی خلعت پہنا دی جاتی تو وہ اس خلعت میں ملبوس و مستور ہو جاتا...... اسی طرح منزل بہ منزل جب روح اترتا ہوا کرہ ارض پر پہنچا تو وہ ستر ہزار خلعتوں میں مستور و ملبوس تھا۔ اور روح بصورت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوا تھا۔ گویا نور نبی یعنی مجسم ستر ہزار پردوں میں مستور ہے اور ستر ہزار پردوں کو اللہ تعالیٰ محیط ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ستر ہزار حجابات سے وراء ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور (روح) ان ستر ہزار پردوں کی خلعتوں

میں ملبوس دستور ہے۔

سورہ نجم کی چند آیات کی تفسیر وتشریح:

گذشتہ صفحات میں قالب اور روح کی فضیلت پر بحث کی گئی ہے۔ جو ابھی مزید وضاحت طلب ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں سورہ نجم کی چند آیات کی تفسیر وتشریح بیان کی جاتی ہے:

آیت نمبر 7: وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى

اور وہ افقِ اعلیٰ پر تھے۔ (وہ بلند ترین افق جو آسمانوں سے بھی بالا ہے جہاں تجلیات الٰہی ہر لحہ نئی شان سے جلوہ نما ہیں)

آیت نمبر 8: ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى

پھر (اس محبوب حقیقی) سے آپ قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔

آیت نمبر 9: فکان قاب قوسین او ادنی

پھر (یہاں تک بڑھے کہ) صرف دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ (یعنی دونوں جہتیں) مل گئیں گویا صمدیت اور عبدیت کی کمانیں (قوسیں) مل گئیں۔ اور نور رسالت نے تجلی ذات سے کیف وسرور پایا۔ [1]

تفسیر وتشریح:

هُوَ: ھو سے مراد صاحبکم ہے۔ جس کا ذکر سورہ نجم آیت نمبر 2 میں ہے۔ اور یہاں صاحبکم سے مراد "روح" ہے جو افق اعلیٰ پر تھا۔

بالافق الاعلی. حروف (ب) سے مراد ہے ساتھ۔ اور اس موقع پر اس کا معنی (پر) ہے۔ جس طرح کوئی چیز کسی عمارت کی چھت پر ہو...... اور افق کا معنی کنارہ اور...... اعلیٰ سے مراد ہے سب سے اوپر والا کنارہ۔

کنارہ کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ تفسیر مظہری میں یوں رقمطراز ہیں۔

افق اعلی: افق کا معنی ہے کنارہ...... یعنی دائرہ امکان (کائنات) کی آخری

---

[1] فیوض القرآن سید حامد حسن بلگرامی وائس چانسلر بہاولپور یونیورسٹی

حد پر تھے۔[1]

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں جو درج ذیل ہیں:

☆ افق اعلیٰ پر روح کہاں سے آ کر قیام پذیر ہوا تھا؟

☆ افق اعلیٰ کا مقام کائنات میں کہاں پر واقع ہے؟

ان کا جواب اور وضاحت اس طرح سے ہے:

جواب 1: افق اعلیٰ پر روح کہاں سے آ کر قیام پذیر ہوا تھا۔ تو اس کی وضاحت اگلی آیت 8 میں ''ثــم'' کا لفظ کرتا ہے۔ جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ روح اسی طرف چلا گیا جس طرف سے آیا تھا...... اب یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کس طرف سے آیا تھا۔ ثُمَّ کے بعد لفظ ''دنیٰ'' ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ اوپر کی طرف روانہ ہوا تھا...... جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ روح افق اعلیٰ پر آنے سے پہلے کسی بلند مقام پر تھا۔ جہاں سے اتر کر افق اعلیٰ پر آیا تھا...... جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ افق اعلیٰ سے اوپر بھی فضا موجود تھی۔

2- افق اعلیٰ کا مقام کائنات میں کہاں پر واقع ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کائنات کے بارے میں چند باتوں کا معلوم ہونا لازم ہے۔ یعنی:

☆ کائنات کا سب سے اوپر والا کنارہ تو افق اعلیٰ ہے...... سب سے نیچے والا کنارہ کہاں ہے اور اس کا نام کیا ہے؟

☆ کائنات کی ہیئت (صورت) کیسی ہے؟

وضاحت:

جب کائنات کے سب سے نچلے کنارے کے بارے میں قرآن کریم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو سورہ والتین کی آیت۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ

ترجمہ: البتہ ہم نے انسان کو سب سے حسین سانچہ میں بنایا۔ پھر ہم نے اسے سب سے نچلے مقام پر لوٹا دیا۔[2]

اس آیت میں کائنات کے سب سے نچلے مقام کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جس کو

[1] تفسیر مظہری اردو جلد 11 ص 144 [2] ترجمہ فیوض القرآن

اسفل سافلین کیا گیا ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر غور کیا جاتا ہے تو یہ بات قرآن کی روشنی میں واضح ہوجاتی ہے کہ آدم علیہ السلام کو پہلے زمین سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا گیا۔ پھر عرش پر کاروائی مکمل کرنے کے بعد آدم علیہ السلام کو واپس زمین پر بھیج دیا گیا...... جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کائنات کا سب سے نچلا کنارہ کرہ ارض ہے۔ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو عرش سے جنت میں اور جنت سے کرہ ارض پر واپس کر دیا گیا تھا۔ تو معلوم ہوا کرہ ارض کائنات کا سب سے نچلا مقام ہے۔ جسے قرآن پاک میں **اسفل سافلین** کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے...... اب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ کائنات کا سب سے اوپر والا کنارہ افق اعلی ہے۔ اور سب سے نیچے والا کنارہ اسفل سافلین یعنی کرہ ارض ہے۔

نوٹ: **اسفل سافلین** دو قسم پر ہیں...... یعنی مجازی اور حقیقی...... مجازی سے مراد کرہ ارض ہے۔ جس پر آدم اور اولاد آدم میں کافر اور مومن سب موجود ہیں...... لیکن حقیقی سے مراد دوزخ ہے۔ جس میں صرف کافر ہی ہوں گے۔[1]

سوال نمبر 2: کائنات کی ہیئت (صورت) کیسی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے کائنات کی صورت گول بنائی ہے۔ جس کا ذکر قرآن پاک کی سورہ نور میں ہے:

کانھا کوکبٌ دُرّیٌّ "وہ (کائنات) چمکتے ہوئے موتی کی مانند ستارہ ہے۔"[2]

چونکہ ستارہ گول نظر آتا ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ کائنات کی صورت گول ستارہ کی طرح ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ ستارے کو اگر باہر سے دیکھا جائے تو ستارہ نظر آتا ہے۔ اگر ستارے کے اندر سے اس میں داخل ہو کر دیکھا جائے تو ستارہ نظر نہیں آتا۔ بلکہ وہ کائنات (رہائش گاہ) نظر آتی ہے...... لہٰذا یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسان کائنات کو باہر سے دیکھ سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن پاک میں اس طرف اشارہ نہ کیا جاتا:

---

[1] اگر اسفل سافلین سے مراد صرف اور صرف دوزخ ہی لیا جائے تو یہ محال ہے' ناممکن ہے۔ اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے وجودوں کو نہ وہاں سے اٹھایا گیا تھا نہ وہاں پر واپس کیا گیا۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ اسفل سافلین سے مراد کرہ ارض ہے۔ [2] سورۂ نور نمبر ۲۴' آیت نمبر ۳۵' ترجمہ فیوض الرحمان

مندرجہ بالا عبارت میں یہ باتیں واضح ہوئی ہیں:

1- کائنات کا اوپر کا کنارہ ''افق اعلیٰ'' ہے۔

2- کائنات کا نیچے والا کنارہ ''کرہ ارض'' (اسفل سافلین) ہے۔

3- کائنات کی ہیئت (صورت) ستارہ کی مانند گول ہے۔

مندرجہ بالا معلومات کی روشنی میں جب کائنات کا نقشہ بنایا جاتا ہے۔ تو اس کی صورت نقشہ 1 میں واضح ہوتی ہے:

نقشہ 1
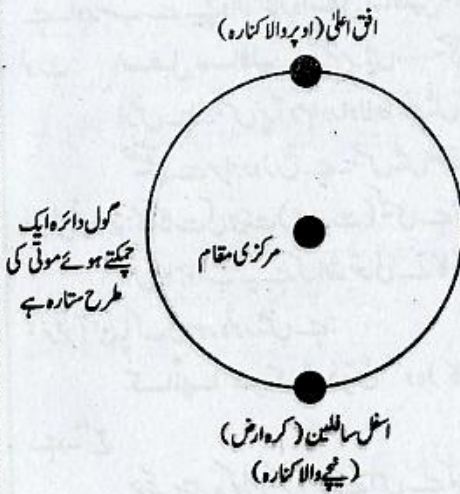
کائنات کے دونوں کونے ایک دوسرے کے اس طرح مقابل ہیں کہ اگر افق اعلی سے کسی پتھر کو نیچے گرایا جائے تو وہ اپنی سیدھ میں نیچے آئے تو وہ پتھر اس جگہ پر آ کر گرے گا جہاں پر کعبہ ہے۔ جو شہر مکہ میں واقع ہے۔ اور شہر مکہ عرب میں ہے...... کائنات کے اس دائرہ کا نام دائرہ اجساد ہے۔ اس دائرہ کے مرکزی مقام پر آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا...... مرکزی مقام کا نام عرش عظیم ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ افق اعلیٰ ہماری اس کائنات کا سب سے اوپر والا کنارہ ہے۔ جہاں پر روح انسان آ کر قیام پذیر ہوا تھا...... پھر وہ اسی طرف عروج کر گیا تھا۔ جس طرف سے وہ آیا تھا۔

آیت نمبر 8 اور 9 کی تشریح سے پہلے سورہ نجم کے بارے میں چند اہم باتیں بیان کرنا ضروری ہیں جو درج ذیل ہیں:

1- سورہ نجم کا مضمون در حقیقت تخلیق کی روئداد ہے۔ جو اول سے آخر تک تمام

حالات پر مشتمل ہے۔

1- سورہ کی پہلی چھ آیات میں اس جوہر یا بیج کا ذکر ہے جس بیج سے کائنات کے درخت کو پیدا کیا گیا۔

2- تین آیات 7-8-9 میں کائنات کے درخت کی پیدائش کا ذکر پایا جاتا ہے کہ وہ کس طرح بیج سے پیدا ہوا...... اور کس طرح آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے کئی لاکھوں سالوں میں وہ مکمل ہوا۔

3- جب وہ کائناتی درخت مکمل ہوا تو اس نے کس طرح پھل دینا شروع کیا۔

4- پھر اس پھل سے مزید فصل کس طرح تیار ہونے لگی۔ اور کائنات میں تخلیق انسانی کا تسلسل شروع ہو گیا۔

5- کائنات کا کاروبار کب تک چلتا رہے گا۔

6- کائنات کی تخلیق کا آغاز بلندی سے شروع ہو کر پستی کی جانب آتا ہے اور سب سے نیچے والے کونے پر مکمل ہو جاتا ہے...... کائنات کے بیج سے مراد روح انسانی ہے اور کائنات کے درخت سے مراد کائنات کے تین دائرے ہیں۔ جن کو روح سے پیدا کیا گیا اور ان کے نام یہ ہیں:

☆ دائرہ ارواح

☆ دائرہ اجساد

☆ دائرہ آخرت

ثم دنی فتدلٰی اور قاب قوسین میں پوری کائنات کی تخلیق کا جو راز پوشیدہ تھا وہ مذکورہ بالا آیات کی تشریح کے دوران سامنے آتا ہے۔

آیت نمبر 8- ثُمَّ دنیٰ فَتَدَلّٰی کی تشریح:

ثم: ثم کے بارے میں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس کا معنی (پھر) ہے۔

دنیٰ: فعل ماضی اور صیغہ واحد مذکر غائب ہے...... اس کا فاعل روح ہے جو افق اعلیٰ پر قیام پذیر تھا...... ایسا فعل ہے جس کا فاعل ہر لحاظ سے خود مختار ہوتا ہے۔ یعنی وہ جو کام بھی کرنا چاہتا ہے اس میں کسی کی مداخلت یا دباؤ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جو کام

کرنا چاہتا ہے وہ اپنی رضا ورغبت کے مطابق کرنے میں پوری طرح آزاد ہوتا ہے۔

دنی کا معنی ہے کسی ادنیٰ کا اعلیٰ کی طرف صعود کرنا...... چونکہ یہاں دنی کا فاعل روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ جس کو ادنیٰ کہا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ روح رسول اللہ سے کوئی اعلیٰ ذات ہے جس کی طرف روح نے عروج کیا تھا۔

فتدلیٰ:

ف: کا معنی (پس) ہے۔ اور یہاں اس کا معنی یہ ہے (پس اوپر کی طرف سے)

تدلی: فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ہے...... اس کا فاعل بھی اسی طرح ہر لحاظ سے خودمختار ہے۔ جس طرح دنیٰ کا فاعل ہے...... اس کا معنی ہے کسی اعلیٰ کا ادنیٰ کی طرف نزول کرنا...... چنانچہ یہ بات طے ہے کہ نیچے روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھا تو اس کے مقابل اللہ تعالیٰ کی ذات کا نزول تو ناممکن ہے، محال ہے۔ اس لیے نزول کرنے والا ذات باری تعالیٰ ہرگز نہیں ہے جب اس صورت حال کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے تو پھر تدلی کے معنی کے لیے لغات اور مفسرین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے تو مطالعہ میں آنے والی تفاسیر کے خزانوں میں سے کوئی موزوں معنی نہیں ملتا...... پھر تصوف کی کتب کے مطالعہ سے بھی کوئی مناسب معنی میسر نہیں آتا لیکن امتِ محمدی صلوٰۃ اللہ علیہا میں سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے امام حضور قلندر بابا اولیاء قدس سرہٗ اس مشکل کا حل پیش کرتے ہیں...... وہ تدلّی کا معنی اللہ تعالیٰ کی مجموعی صفات کا جلوہ مراد لیتے ہیں اور یہ معنی...... مفہوم کے قریب کر دیتا ہے...... وہ اس طرح کہ مجموعی صفات کا جلوہ قالب کی صورت میں ہے۔ اور اس کی وجہ ہے کہ روح کو قالب کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مجموعی صفات کا جلوہ ہی بصورتِ قالب موزوں ترین معنی ہے۔ اور اس معنی کی تصدیق و تائید کائنات کے دائرہ دوم کے عملِ تخلیق کے دوران حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ تدلّی کا معنی قالب تجویز کرنا درست ہے...... لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ

1- تدلیٰ کا معنی قالب ہے۔ (از مؤلف)

2-تدلیٰ کا فاعل بھی قالب ہے۔

مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں روح کے عروج اور قالب کے نزول پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب کوئی اہم شخصیت کسی سفر پر روانہ ہوتی ہے تو اس کے سامنے کئی مقاصد ہوتے ہیں...... اور یہاں روح اور قالب دونوں اپنے اپنے سفر پر روانہ ہوئے تھے۔ ان کے پیشِ نظر بھی کئی مقاصد ہوں گے جب اس نقطہ نظر سے غور کیا جاتا ہے تو دو مقاصد واضح ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

1- روح اور قالب کے اتصال سے عبد کا ظہور میں آنا تھا۔

2- روح کی قوس اور قالب کی قوس دونوں کے اتصال سے کائنات کے دائرہ کا قائم کرنا تھا۔

مندرجہ بالا دونوں مقاصد کی تکمیل کی تفصیل اس طرح ہے:

1- پہلے مقصد کی تکمیل کا عمل (دنیٰ فتدلیٰ) کا اتصال:

جب افق اعلیٰ سے روح نے عروج کرنا شروع کیا تو اسی راستہ سے اسی سیدھ میں قالب نے نیچے کی طرف اترنا شروع کیا...... دونوں ایک دوسرے کی محبت میں استقبال کے لیے ایک دوسرے کی طرف بڑھتے رہے۔ ان کا شوق وصل انھیں قریب سے قریب تر کرتا چلا گیا...... روح نے عالم وارفتگی میں قالب کو برقعہ کی طرح پہن لیا۔ اور قالب نے شوق وصل میں روح کو اپنے اندر ڈھانپ لیا...... جب قالب نے روح کو اپنے اندر مستور کر لیا تو دونوں کے اتصال سے ''عبد'' ظہور میں آ گیا...... جس مقام پر عبد ظہور میں آیا اس کا نام ''افق مبین'' ہے...... اور جس مقام سے قالب نے نزول کا آغاز فرمایا تھا۔ اس مقام کو ''ظہور تدلی'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہو جاتی ہیں:

☆ افق اعلیٰ کے اوپر فضا موجود تھی جس میں یہ عمل تخلیق مکمل ہوا اور ''عبد'' ظہور میں آیا۔

☆ افق اعلیٰ سے اوپر مقام افق مبین ہے۔ اور اس سے اوپر مقام ظہور تدلی ہے۔

☆ افق مبین کا مقام افق اعلیٰ اور ظہور تدلی دونوں کے درمیان عین وسط میں ہے گویا افق مبین ایک مرکزی نقطہ و مقام ہے۔

2- دوسرے مقصد کی تکمیل کی تفصیل یعنی قوسین کا اتصال:

......سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوسین کہاں سے پیدا ہو گئیں۔

یہ بات تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ روح ایک نوری وجود ہے اور یہ بات بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جلوہ صفات بھی ایک نوری وجود ہے جو بصورت قالب ہے۔ چونکہ دونوں نوری وجود ایک دوسرے کی محبت و عشق میں ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

روح کے وجود سے نکلنے والی نوری شعاعوں کا حلقہ روح کے گرد پھیلتا چلا گیا۔ اور مقام افق مبین تک پہنچتے ہوئے ایک قوس کی صورت بن گیا تھا۔ روح کے گرد قوس قوس دنی کہلائی......اسی طرح قالب کے نزول کے وقت اس کے نوری وجود سے نوری کرنوں سے جو حلقہ قائم ہوا تھا' مقام افق مبین تک پہنچتے ہوئے وہ بھی قوس کی صورت میں قائم ہو گیا تھا۔ تو وہ (قوس تدلی) کہلائی......جس لمحہ روح اور قالب دونوں کا باہم اتصال ہوا تھا۔ اسی لمحہ دونوں قوسوں کے باہم اتصال سے روشنی کا ایک دائرہ قائم ہو گیا۔ روشنی کا وہ دائرہ ہی کائنات کا دائرہ اول ہے۔ جس کو "عالم ارواح یا دائرہ ارواح" کہا جاتا ہے......مندرجہ بالا عبارت سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

1- اوپر کی جانب قوس تدلی
2- نچلی طرف قوس دنی
3- درمیان والا مقام "افق مبین" ہے۔
4- دو قوسوں کے ملاپ سے ایک دائرہ بن گیا۔
5- دائرہ کے مرکزی مقام افق مبین پر عبد ظہور میں آیا' جو دائرہ کا مرکز ہے۔
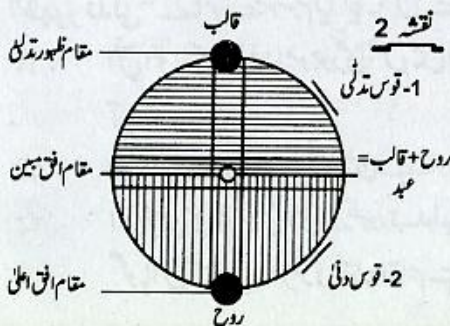
مندرجہ بالا معلومات کی روشنی میں اگر کائنات کے دائرہ اول کا نقشہ بنایا جائے۔ تو وہ بھی نقشہ 1 کی طرح گول ہی ہے۔ جس کو نقشہ 2 سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور یہ اس بات کی

تصدیق ہے کہ کائنات چمکتے ہوئے موتی کی مانند ستارہ ہے۔

اگر تدلّٰی کا معنی قالب لیا جائے تو یہ عین شریعت کے مطابق واضح ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ قالب کا معنی تجویز کرنے سے کائنات کی تخلیق کا دروازہ کھل جاتا ہے...... اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ کائنات کے دائرہ دوم جسے "عالم اجساد" کہا جاتا ہے۔ اس کی تخلیق کے دوران قالب کے معنی کی تائید اور تصدیق ہو جاتی ہے۔ جس سے تدلّٰی کا معنی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ تدلّٰی کا معنی قالب ہے کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

تدلّٰی کے معنی قالب کی تائید وتصدیق کی خاطر کائنات کے دائرہ دوم کی تخلیق کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کس طرح تشکیل پایا تھا؟

کائنات کے دائرہ دوم کی تخلیق وتشکیل کا منظر:

نقشہ 3
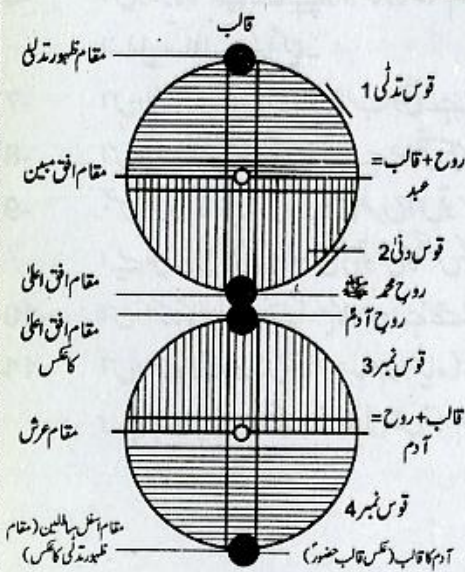
کائنات کا دائرہ دوم

درحقیقت کائنات کے دائرہ اول یعنی "عالم ارواح" کا عکس معکوس ہے...... عکس معکوس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص شفاف پانی کے اوپر کھڑا ہو تو اس کا عکس پانی کے اندر الٹا نظر آتا ہے۔ عکس کے پاؤں اوپر اور سر نیچے کی طرف نظر آتا ہے۔ بعینہ کائنات کا دائرہ دوم پہلے دائرہ کا الٹا عکس ہے۔ چونکہ دائرہ دوم الٹا عکس ہے' اس لیے اس کی ہر شے دائرہ اول کی اشیاء کے الٹ ہوگی۔ جس کو نقشہ 3 سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

دائرہ دوم کی اشیاء کی ترتیب درج ذیل ہے جو نقشہ پر ملاحظہ ہو جاتی ہے۔

1- اس دائرہ میں روح کو اوپر سے نیچے لایا گیا جبکہ دائرہ اول میں روح نیچے سے

اوپر خود گیا تھا۔

2- اس دائرہ میں قالب کو نیچے سے اوپر لایا گیا جبکہ دائرہ اول میں قالب اوپر سے نیچے خود آیا تھا۔

3- روح کی قوس کا عکس اوپر کی طرف ہے جبکہ دائرہ اول میں قوسِ قالب اوپر ہے۔

4- قالب کی قوس کا عکس نیچے کی جانب ہے جبکہ دائرہ اول میں قوسِ قالب اوپر ہے۔

5- اس دائرہ کا سب سے اوپر والا کنارہ افق اعلیٰ کا عکس ہے۔

6- اس دائرہ کا سب سے نیچے والا کنارہ مقام ظہور تدلّٰی کا عکس ہے، جس کو اسفل سافلین کہا گیا۔

7- اس دائرہ میں روح اعلیٰ اور قالب ادنیٰ ہے۔

8- اس دائرہ کا مرکزی مقام عرش ہے جو افق مبین کا عکس ہے۔

9- جس طرح قالب ادنیٰ ہے اسی طرح اس قوس کا عکس بھی ادنیٰ ہے......
ایسے ہی روح اعلیٰ ہے تو اس کی قوس کا عکس بھی اعلیٰ ہے۔

10- اس دائرہ کا مرکزی نقطہ آدم کا وجود ہے، جسے عرش پر پیدا کیا گیا۔

11- اس دائرہ کائنات میں تمام اجسام (اشیاء) مامور (بروزن مفعول) ہیں بلکہ مردہ و بے جان ہیں...... جبکہ دائرہ اول میں تمام حقائق خودمختار ہیں۔ زندہ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نوری وجودِ عبد کائنات کے دائرہ اول میں افق مبین کے مقام پر ظہور میں آیا تھا...... حضرت آدم علیہ السلام کا عنصری وجود کائنات کے دائرہ دوم میں عرش عظیم کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ جس پر قرآن کریم کی آیات شاہد ہیں...... کسی شخص کو جو تھوڑی بہت علمی استعداد رکھتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کو زمین سے اٹھا کر عرش پر لے جایا گیا تھا۔ پھر اس کو زمین پر واپس کر دیا گیا تھا۔ جسے سورہ والتین میں ثم رددنٰہ اسفل سافلین کی آیت بیان کرتی ہے۔ اور اس پر مسلمانوں کا عقیدہ پختہ ہے...... جب یہ بات قرآن وحدیث کی رو سے درست ثابت ہے۔ اور مندرجہ بالا عبارت میں یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ کائنات کا دائرہ دوم جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا۔ وہ دائرہ کائنات کے دائرہ اول کا الٹا عکس ہے...... پھر یقیناً دائرہ اول میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قالب بلندی سے پستی کی جانب نزول کرنے والا ہے۔ جو حضرت آدم کے قالب کا اصل ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قالب وہ سانچہ ہے۔ جس سانچہ میں آدم علیہ السلام کے قالب کو بنایا گیا اور سورہ والتین میں اُسی سانچہ کو فی احسن تقویم کا نام دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احسن تقویم ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام اسی لئے فی احسن تقویم کہلائے...... مندرجہ بالا باتیں ثابت کرتی ہیں کہ کائنات کا دائرہ دوم کائنات کے دائرہ اول کا عکس معکوس ہے۔ جس طرح دائرہ دوم پہلے دائرہ کا عکس معکوس ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قالب کا عکس معکوس ہے۔ جو یہ بات ثابت کرتی ہے کہ تدلٰی کا معنی قالب ہے۔ اور ثم دنی اور تدلٰی کی جو تشریح کی گئی ہے وہ بھی درست ہے۔ اس میں کسی قسم کا سقم نہیں پایا جاتا...... جب ان دلائل کی روشنی میں یہ کہا جائے کہ اللہ تعالی نے تدلٰی کو اعلیٰ کہا ہے...... کمال بات یہ ہے کہ اس معنی قالب کی بدولت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے وہ کمالات سامنے آتے ہیں جن سے کائنات کی تخلیق کا ظہور سامنے آتا ہے۔ اور اس حدیث کی تائید وتصدیق ہو جاتی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور کی تخلیق اور اس نور سے کائنات کی تخلیق کا ذکر موجود ہے۔ جو آج تک باعث نزع ہے۔

اس تحقیق کے باوجود ابن فقیر روح اور قالب کی بحث کے نتائج کے لیے امت

مسلمہ کے علماء کرام کی طرف رجوع کرتا ہے تاکہ فتویٰ صادا فرمائیں

اس ضمن امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن مکتوبات میں کقوس تدلیٰ اور قوس دنیٰ کو دوسرے ناموں سے تعبیر فرمایا ہے وہ درج ذیل ہیں:

1-دفتر اول۔مکتوب 260	ص	116-605	(ترجمہ سعید احمد نقشبندی) ۱
2-دفتر دوم۔مکتوب نمبر 21	"	80-996	"
3-دفتر دوم۔مکتوب نمبر 91	"	113-1208	(قوسِ صفات اور قوس ذات)
4-دفتر سوم۔مکتوب نمبر 64	"	176-1429	"
5-دفتر سوم۔مکتوب نمبر 111	"	113-1573	"
6-دفتر سوم۔مکتوب نمبر 122	"	147-1607	"

مندرجہ بالا مکتوبات کی عبارتوں سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔

---

۱ اس مکتوب میں عنصر خاک کے بارے میں جو کچھ یہاں کہا گیا اس میں عنصر خاک کی اصالت کا ذکر کیا گیا ہے جو دعوت فکر دیتا ہے کہ عنصر خاک کی اصل تلاش کی جائے اس ضمن میں مؤلف فقیر حبیب کا یہ ادراک ہے کہ عنصر خاک کی اصل صفت حیوۃ اور صفت تکوین ہے اور اگر شان حیوۃ اور شان تکوین بھی ہو سکتی ہیں۔ چند خطوط کو اسی ضمن میں پیش کیا جاتا ہے۔ جن میں تخلیق پر بحث ہے۔

جن کی ترتیب یوں ہے۔

۱۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا خط بنام مؤلف گجرات

۲۔ مؤلف کا خط بنام ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کراچی

۳۔ مؤلف کا خط بنام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لاہور

۴۔ مؤلف کا خط بنام ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور کراچی

اس خط میں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ کے دو خطوط اور ان کی تشریح بیان کی گئی ہے۔

جس کے مطابق:

انسان کی تخلیق تین درجات پر ہے۔ اور کائنات کے تین دائرے ہیں۔ اور ہر دائرہ کا مرکز ایک انسان ہے۔

اس کے علاوہ چار خطوط کی نقول ہمراہ ہیں تین خط پروفیسر ڈاکٹر جناب محمد مسعود احمد صاحب نقشبندی مجددی مظہری کراچی کے نام اور ایک خط ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نام ہے...... نیز امام ربانی کے دو مکتوب نمبر 30 اور نمبر 31 کی عبارتوں کی نقول بھی شامل ہیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ انسان تین درجات پر ہیں اور کائنات کے تین دائرے ہیں

☆ اصل انسان

☆ اس کا ظل

☆ پھر اس ظل کا ظل۔

اس طرح کائنات کے تین دائرے ہیں

☆ ایک عالم ارواح جو اصل ہے

☆ دوسرا عالم اجساد ہے جو اس کا ظل ہے

☆ پھر عالم آخرت ہے۔

تشریح کے ضمن میں ان موضوعات پر راقم الحروف نے قلم اٹھایا ہے۔ وہ بھی ملاحظہ کے لیے حاضر ہیں۔

محترم جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا ایک خط اس سلسلہ میں ہے۔ جو انھوں ''افکار پریشاں'' کے عنوان سے راقم کے نام لکھا ہے۔ وہ بھی ان میں شامل ہے۔

والسلام

فضل احمد حبیبی

24 فروری 2001ء

محبی و مخلصی زید عنایتکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ بخیر و عافیت پہنچ گئے ہوں گے...... حسب وعدہ ''افکار پریشاں'' پیش کر رہا ہوں...... آپ کی باتیں غور و فکر کی طلب گار ہیں، اور غور و فکر کے لیے وقت نہیں ملتا۔ اسی لیے فقیر کے ذمے آپ کے خطوط کا جواب رہتا ہے۔ جس کے لیے معذرت خواہ

ہوں...... یہ جو کچھ ذہن میں آیا۔ حتمی نہیں۔ اس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں کہ پھر جواب کے لیے وقت کہاں سے لاؤں؟......بس دعاؤں میں یاد رکھا کریں۔

گھر میں سب کو سلام ودعا

فقط والسلام

فقیر **محمد مسعود احمد** عفی عنہ

افکارِ پریشاں

☆ اجسام کا تعلق نفس واحد سے ہے اور ارواح کا تعلق ذات واحد سے......جس کی نسبت بلند ہے' وہی افضل ہے۔

☆ خواص کے اجسام خواص کی ارواح سے اور عوام کے اجسام' عوام کی ارواح سے افضل قرار پائیں گے۔

☆ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کا وہ حصہ جو جسم اطہر سے مس ہے' بیت اللہ سے بھی افضل ہے...... یہ افضلیت جسم اطہر کی وجہ سے ہے۔

☆ یہی جسم قیامت میں ہوگا۔ یہی جسم جنت و دوزخ میں اسی لیے حشر میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے...... گستاخانِ رسول عاشقان رسول کو پہچانیں گے اور التجائیں کریں گے۔

☆ حشر ونشر اور عذاب وثواب جسم پر مرتب ہوگا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

☆ انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر زمین میں پھیلایا۔

☆ زندگی اور موت اس لیے پیدا کی تا کہ تمھارے حسن عمل کی آزمائش ہو...... "تمھارے" کا اطلاق کس پر ہوگا؟......وہ زندگی اور موت سے بلند تر ہونا چاہیے۔ وہ نفس ہی ہوسکتا ہے۔ اگر کامیاب ہوا تو مطمئنہ......اور ناکام ہوا تو امارا......

☆ مقابلہ جسم وروح میں نہیں بلکہ نفس وروح میں ہونا چاہیے...... کیوں کہ مقابلے کے لیے جانبین میں مقابلے کے لیے کچھ خوبیاں تو ہونا چاہئیں ورنہ کمزور کا پہلوان سے کیا مقابلہ؟

گجرات شریف
14 اکتوبر 2000ء

گرامی قدر جناب ڈاکٹر (محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ تعالیٰ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! یکم اکتوبر کو جو کرم نامہ آپ نے ارسال فرمایا وہ 11 اکتوبر کو موصول ہوا۔ آپ نے اس ابن فقیر کے لیے دعا صحت فرمائی ہے۔ جزاک اللہ۔ اطلاعاً عرض ہے کہ پہلے سے اب روبصحت ہوں۔

آپ نے اس کرم نامہ میں چند باتیں بیان فرمائی ہیں جو تفصیل طلب ہیں۔ لہذا پھر عریضہ ارسال ہے۔ اور وہ باتیں درج ذیل ہیں:

1- آپ نے عالم کبیر کو اہل باطن کے لیے اور عالم صغیر کو اہل ظاہر کے لیے فرمایا ہے۔ لیکن اس مسکین کے مطالعہ میں اس سے مختلف بات آئی ہے...... وہ یہ ہے کہ یہ دونوں جدا جدا حقائق ہیں۔ عالم کبیر اصل ہے اور عالم صغیر اس کا ظل (خلاصہ) ہے اور بنی نوع انسان اس کے خلاصہ کا خلاصہ ہے...... ہاں اہل باطن کو مشاہدہ کی دولت حاصل ہے۔ لیکن اہل ظاہر اس دولت مشاہدہ سے بے خبر ہیں...... صرف بات اتنی ہے کہ جب کوئی صاحب نصیب اتباع شریعت سے بلکہ محض فضل باری تعالیٰ سے نواز دیا جاتا ہے تو اس کے احساسات بدل جاتے ہیں...... وہ خود کو اس قدر عظیم پاتا ہے کہ اپنے آپ کو عالم کبیر کے وجود میں گم پا کر عالم کبیر سے اِنطباق کا حامل پاتا ہے۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ وہ حقیقت میں عالم کبیر ہے...... محترم! وہ عالم کبیر کیسے ہوسکتا ہے۔ جبکہ اس کا ظاہری وجود حقائق کونیہ کے افراد میں سے ایک پہاڑ سے کوئی نسبت نہیں رکھتا اور یہ ایک الگ راز ہے...... نیز امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ عالم صغیر چونکہ حقائق کونیہ میں پائے جانے والے تمام افراد کے نمونوں کا جامع ہے نہ کہ عالم کبیر کے اصل افراد کا جامع ہے۔ اس لیے عالم صغیر عالم کبیر سے الگ حقیقت ہے۔

2- آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ نے اس مسکین وعاجز سے اختلاف کیا تھا آپ کا وہ اختلاف بجا تھا اور وہ اب بھی قائم ہے اور یہ مسکین بھی اپنی تحقیق پر قائم ہے

اوراس تحقیق سے روگردانی نہ کرتے ہوئے اس موقف پر مضبوطی سے قائم ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ:

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دفتر اول مکتوب نمبر 64 میں سورہ والتین کی آیت ثم رددنہ اسفل سافلین کی جوتفسیر بیان فرمائی ہےاور جس کو آپ نے اختلاف کی بنیاد بنایا ہے وہ تفسیر حقائق الٰہیہ یعنی اسلام اور کفر کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ جوتفسیر راقم الحروف کے قلم سے ظہور میں لائی گئی ہے وہ حقائق کونیہ یعنی عرش بریں اورفرش زمین کے لحاظ سے کی گئی ہے۔

عالی جاہ! آپ اس بات کوخوب جانتے ہیں کہ ان دونوں میں کتنا عظیم فرق پایا جاتا ہے کہ اسلام اعلیٰ سے اور کفر عالم اسفل سے تعلق رکھتا ہے...... جب کہ عرش بریں عالم اعلیٰ ہے اورفرش زمین عالم اسفل ہے۔ثم رددنہ اسفل سافلین کی تفسیر کی تازہ جہت یہی ہے کہ آدم کوزمین پر بھیجا گیا۔

محترمی ڈاکٹر صاحب! مرشد کریم کا صدقہ امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمال عنایات اس مسکین کے شامل حال ہیں کہ جواسرار ان کے سینہ سے اس مسکین کے سینہ تک پہنچے ہیں وہ نہ پہنچے ہوتے تو یہ ارذل واحقر جو اپنی جبلّت میں کمینہ ہے کبھی بھی ان حقائق کوظاہر کرنے کی جسارت نہ کرتا اور آپ جیسے مہربان اور کرم فرما کے روبروقلم کوجنبش میں نہ لاتا...... لیکن کیا کیا جائے۔ جہاں کسی کودعویٰ اور حق حاصل ہوتا ہے اس کی توقعات اورامیدیں اسی طرف لوٹ کر جاتی ہیں۔ہاں اگروہ پناہ گاہ ان کو پناہ نہ دے توپھرآپ خود ہی فرمائیں کہ اہل امید کی کیا کیفیت اور کیا حال ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب! آپ اپنی نسبت پر بھروسہ رکھیں اور اپنے حلقہ اثر میں داخل ہونے والے افراد کوحاصل ہونے والی نعمت کی قدر فرمائیں۔ شاید اسی نعمت کے شکر ادا کرنے سے اس دور میں ایک منفرد اعزاز حاصل ہوجائے جوامت مسلمہ میں شاید آپ کو ہی حاصل ہو۔

محترم! اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہے کہ حقائق کونیہ کے لحاظ سے قرآن کی جن آیات کی تفسیراس مسکین کے قلم سے ظہورمیں آچکی ہےان آیات میں سے ایک آیت (ثم رددنہ اسفل سافلین) بھی ہے اگر یہ تفسیر حقائق کونیہ کے لحاظ سے واضح نہ ہوتی تو وہ

اسرار اور رموز نیز حقائق و معارف جو امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوبات میں بیان فرمائے۔ان کی تشریح کا حق ادا نہ ہوتا۔مکتوبات کی عبارتوں میں سے ایک عبارت کو تشریح کی خاطر نقل کیا جاتا ہے:

1- جاننا چاہیے کہ خَلقِ محمدی دوسرے افراد انسانی کی طرح نہیں ہے بلکہ عالم کے افراد میں سے کسی فرد کی پیدائش سے بھی مناسبت نہیں رکھتی کہ رسول اللہ ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے **خلقت من نور الله** (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں) اور دوسروں کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

2- اس باریک نکتہ کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی آٹھ صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں۔لیکن اس احتیاج کی وجہ سے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے'ان میں امکان کی بو ثابت ہے......اور جب اللہ تعالیٰ کی حقیقی قدیمی صفات میں امکان کی گنجائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اضافیہ میں تو امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگا۔اور ان کا قدیمی نہ ہونا ان کے امکان پر بہت بڑی دلیل ہے۔

3- اور کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اس امکان سے ہوئی جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے......نہ وہ امکان جو تمام ممکنات عالم (عالمِ اسماء) میں ثابت ہے اور جتنا بھی دِقتِ نظر سے ممکنات عالم کے صحیفہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے'رسول اللہ ﷺ کا وجود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا۔

اور رسول اللہ ﷺ کا امکان اور ان کی پیدائش کا منشاء صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے......اور جب رسول اللہ ﷺ کا وجود عالم ممکنات میں نہ ہوگا بلکہ اس عالم (ممکنات) سے اوپر ہوگا تو لازماً ان کا سایہ نہ ہوگا......اور پھر یہ بھی ہے کہ عالم شہادت میں کسی شخص کا سایہ اس شخص سے زیادہ لطیف ہے اور جب آپ سے زیادہ لطیف کوئی چیز عالم میں نہ ہوگی۔تو ان کے سایہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔**علیه و علیه آله الصلوٰة والتسلیمات** [1]

---

[1] مکتوب نمبر 100 'دفتر سوم ص (93-92\53\1552 (ترجمہ: سعید احمد نقشبندی مجددی)

مندرجہ بالا عبارت کو راقم الحروف نے تین حصوں میں تقسیم کر کے لکھا ہے وہ اس لیے کہ ہر حصہ کے بارے میں الگ الگ سوالات اور ان کا حل نیچے پیش کیا جا سکے۔

عبارت کے حصہ اول کے بارے میں سوالات اور حل یہ ہیں:

1- امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی تخلیق کے بارے میں فرمایا ہے کہ حضور کی تخلیق دوسرے تمام انسانوں سے مختلف ہے...... صرف مختلف ہی نہیں بلکہ دیگر انسان کی تخلیق و پیدائش سے اتنی منفرد و اعلیٰ و ارفع ہے کہ کسی دوسرے انسان کی پیدائش کی نسبت کو کوئی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔

جب عبارت کے اس مفہوم کے تناظر میں فکر کیا جاتا ہے تو تخلیق و پیدائش کی مندرجہ ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کا امتیاز واضح ہے۔ تخلیق و پیدائش کی صورتیں درج ذیل ہیں:

☆ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق

☆ حضرت حواء علیہا السلام تخلیق

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق

☆ بنی نوع انسان کی تخلیق و پیدائش

☆ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تخلیق

وضاحت:

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی امتیازی خصوصیات:

الف: آپ کا قالب زمین پر بنایا گیا۔ پھر اسے عرش پر لے جایا گیا۔ پھر اس میں وہاں روح کو پھونکا گیا...... جس سے حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی تخلیق عرش عظیم پر واقع ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ کو چند شرف حاصل ہیں جو درج ذیل ہیں:

(1) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقام عرش عظیم ہے۔

(2) آپ کا قالب کامل انسان کی صورت میں تھا۔ جب روح کو قالب میں داخل کیا گیا تو آپ کا قد[1] مبارک کامل تھا۔ اور قد کا طول ساٹھ گز تھا نہ کہ بچہ سے علی

---

[1] مکتوب ۹۵ دفتر اول ص ۱۳۰/ ۲۶۶ (حاشیہ)

الترتیب بڑا ہوا تھا۔

(3) حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر والدین کے پیدا کیا گیا بلکہ کائنات کے وجود سے براہ راست پیدا کیا گیا۔

(4) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد وہ تمام امور سرانجام دیے گئے جو اس دنیا میں لڑکے کی پیدائش پر والدین سرانجام دیتے ہیں۔ جن کی مثال درج ذیل ہے:

☆ تعلیم وتربیت دینا

☆ اپنے باپ کا نائب بنانے اور خاندان کی سرداری کے لیے دستار بندی کی جاتی ہے۔

☆ جوان ہونے پر شادی کردی جاتی ہے۔

☆ شادی کے بعد دونوں میاں بیوی کو چند دنوں کے لیے خوبصورت جنت نظیر مقامات کی سیر وتفریح کے لیے بھیجا جاتا ہے تاکہ ان میں محبت وانس کا رشتہ گہرا ہو جائے۔

☆ جب والدین یہ جان لیتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں خوشی خوشی زندگی گزار سکتے ہیں تو ان کو الگ گھر دے کر علیٰحدہ کردیا جاتا ہے۔

لہٰذا جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اس کے بعد کے مراحل پر غور کیا جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام رسومات جو خاندان آج ادا کرتے ہیں وہ درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد جو امور سرانجام پائے تھے ان کا ہی پرتو ہیں۔ نیز سنت الٰہیہ کا اجرا ہے کہ ان کو اسماء الٰہی (اپنے اسما) کا علم عطا کیا...... پھر ان کو اپنی خلافت عطا فرمائی یعنی ان کی دستار بندی کرائی گئی۔ جس میں تمام معززین کو دعوت دی گئی اور ایک عظیم الشان مجلس قائم کی گئی...... پھر اس مجلس میں ان کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی دلداری کے لیے ان کی اہلیہ حضرت حواء علیہا السلام کو پیدا کیا گیا...... پھر جب وہ جنت میں باہم راضی خوشی رہنے لگے تو پھر ان کو الگ گھر بسانے کے لیے کرہ ارض کو بطور الگ گھر دے کر نیچے بھیج دیا گیا...... اور حضرت آدم علیہ السلام کو اس جہان دنیا کو آباد کرنے کا کام سپرد کیا گیا۔ نیز اس جہان کی آبادی میں یہ راز بھی پوشیدہ ہے

کہ عالم آخرت کی آبادکاری بھی ان کے سپرد کی گئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہی تخلیق کا پہلا نمونہ ہمارے سامنے تھا۔ ہم اسی نمونہ کو کمال تخلیق سمجھتے ہیں جسے امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کی تخلیق سے کوئی نسبت نہیں بتائی اس کے بعد حضرت حواء علیہا السلام کی تخلیق کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق میں امتیازات:

-2 حضرت حواء کی تخلیق کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے۔

حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔

☆ حضرت حواء کو غالباً جنت میں پیدا کیا گیا تا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دلداری کا باعث ہوں۔

☆ حضرت حواء علیہا السلام کا وجود بھی حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی طرح کامل تھا۔

☆ حضرت حوا کا وجود حضرت آدم علیہا السلام کے وجود کا پرتو (پرت) تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عنصری وجود عطا کیا۔

☆ حضرت حواء علیہا السلام کو ایک مرد کے وجود سے پیدا کیا گیا یعنی بغیر والدہ کے پیدا کیا گیا لہٰذا یہ بھی تخلیق کی ایک دوسری صورت ہے۔ جس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تخلیق ممتاز و منفرد ہے۔

☆ حضرت حواء علیہا السلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو کرہ ارض پر لانے کا باعث ہوئیں۔ ورنہ یہ جہان آباد ہی نہ ہوتا...... اور کرہ ارض عرش اور جنت کے مقابل میں پستی کی جانب واقع ہے۔ اس لیے اس کو عالم اسفل کہا گیا ہے۔ یہ تفسیر حقائق کونیہ کی جہت سے ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خصوصیات:

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر والد کے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا کیا گیا۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیدائش کے فوراً بعد اپنی والدہ کی پاکدامنی کی گواہی دی، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر ایک معصوم بچے نے شہادت دی تھی۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ولادت کے فوراً بعد اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ صاحب کتاب نبی ہیں۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ بشارت دی تھی کہ ان کے بعد آنے والی ہستی کا نام نامی اسم گرامی ''احمد'' ﷺ ہوگا۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اور وجود عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھا کر لے جایا گیا جو ان کے وجود کی لطافت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ یہ شہادت حضور ﷺ کے وجود عنصری کے ساتھ معراج پر بنیاد اور دلیل فراہم کرتی ہے۔

بنی نوع انسان کی تخلیق و پیدائش کی خصوصیات:

بنی نوع انسان کی خصوصیات کی وضاحت کے لیے پہلے مندرجہ بالا تین صورتوں کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ بنی نوع انسان کی پیدائش میں اور ان کی پیدائش میں فرق اچھی طرح واضح ہوسکے۔

1- حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر والدین کے براہ راست کائنات کے بطن سے پیدا کیا گیا...... نیز ان کی تخلیق عرش عظیم پر کی گئی...... تخلیق کے وقت ان کا قد کامل تھا۔

2- حضرت حواء علیہا السلام کو والدہ کے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے جنت میں پیدا کیا گیا اور ان کا وجود بھی کامل ہی پیدا کیا گیا۔

3- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر والد کے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا کیا گیا اور ان کا وجود (قد) بچہ سے بالترتیب بڑھتے ہوئے کامل ہوا تھا۔ نیز ان کی پیدائش زمین پر ہوئی تھی۔

4- بنی نوع انسان کی تخلیق و پیدائش والدین کے ملاپ کے نتیجہ میں ظہور میں لائی جاتی ہے۔ اور یہ عمل پیدائش بھی کرہ ارض پر ظہور میں لایا جاتا ہے جو ہر ایک شخص

کا روزانہ کا مشاہدہ ہے نیز یہ تخلیق و پیدائش کی چوتھی صورت ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی صورت پر ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کا معاملہ ... ہی اعلیٰ وارفع ہے۔ جس کو نیچے بیان کیا جاتا ہے۔

پانچویں صورت وجود محمدی ﷺ کی تخلیق:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تخلیق و پیدائش مندرجہ بالا چاروں صورتوں سے مختلف ومنفرد ہی نہیں بلکہ ان کی تخلیق و پیدائش اتنی اعلیٰ وارفع ہے کہ مذکورہ بالا چاروں صورتیں اس سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں۔ عبارت کے اگلے حصے میں مزید عمدہ انکشاف کرتے ہیں۔ کہ جس جہان میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ اس جہان سے اوپر ایک اور جہان ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو پیدا کیا گیا...... لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کے امتیاز کو جاننے کے لیے عبارت کے اگلے حصوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تا کہ معلوم ہو جائے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی تخلیق کی صورت کیسی ہے؟

2- عبارت کے دوسرے حصہ کی وضاحت:

اس عبارت میں رسول اللہ ﷺ کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی صفات اضافیہ کا امکان بیان فرمایا۔ اور یہ بات اس وقت تک آسانی سے فہم میں نہیں آتی جب تک اللہ تعالیٰ کی حقیقی وقدیمی صفات اور اضافی صفات میں فرق معلوم نہ ہو جائے...... جب ان دونوں کا فرق معلوم ہو جاتا ہے تو ان کے امکان میں فرق معلوم ہو جاتا ہے اور ان کے درمیان فرق درج ذیل ہے:

☆ اللہ تعالیٰ کی حقیقی وقدیمی صفات کا عالم اضافی صفات سے بلند ہے یعنی اضافی صفات کا عالم حقیقی وقدیمی صفات سے نیچے ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی حقیقی وقدیمی صفات آٹھ ہیں جب کہ صفات اضافیہ لاتعداد ہیں...... حقیقی صفات اصل ہیں اور صفات اضافیہ ان کی فروعات ہیں...... جن کی مثال ایسی ہے کہ اصل رنگ سات ہیں اور آٹھواں رنگ بے رنگی کا نام ہے...... جب سات رنگوں کو ایک دوسرے سے ملا کر تیسرا رنگ بنایا جاتا ہے تو رنگوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اصل صفات میں سے جب ایک دوسرے سے

مل جاتی ہیں تو اضافی صفات ظہور میں آجاتی ہیں۔

☆ جس طرح حقیقی صفات کا جہاں اوپر ہے اور صفات اضافیہ کا جہاں نیچے ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء کا جہاں صفات اضافیہ سے نیچے ہے۔ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق واقع ہوئی تھی جس کو عالم ممکنات اور عالم شہادت بھی کہا جاتا ہے۔ نیز اس اسماء کے جہاں کو عالم اجسام کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور صفات اضافیہ کے جہاں کو "عالم ارواح" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں صفات حقیقی و اضافی اور اسماء کے امکان میں جو فرق بیان کیا گیا ہے۔ وہ مکتوب کی مندرجہ بالا عبارت کے مطالعہ سے اخذ ہوتا ہے۔

3- مکتوب کی عبارت کے تیسرے حصہ کی وضاحت:

امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے بارے علمی دلیل کی بجائے صریح کشف کی بنیاد پر فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تخلیق عالم ممکنات میں کہیں نظر نہیں آتی۔ بلکہ حضور ﷺ کا وجود عالم ممکنات سے اوپر والے جہان سے ہو گا۔ اس عبارت پر غور کیا جائے تو چند سوالات سامنے آتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

سوال 1- رسول اللہ ﷺ کی تخلیق جس جہان میں واقع ہوئی تھی وہ تخلیق کس طرح یا کس صورت میں واقع ہوئی تھی۔

سوال 2- اگر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کی تخلیق مذکورہ بالا چار قسم کی تخلیق سے مختلف صورت میں واقع ہوئی تو پھر یہ امر وضاحت طلب ہو گا کہ اس تخلیق سے مذکورہ بالا اقسام کس بنیاد پر کچھ مناسبت نہیں رکھتیں۔

سوال 3- رسول اللہ ﷺ کے سایہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ اس جہان کی تخلیق ہی نہیں ہیں جس جہان میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تھی تو پھر آپ کے سایہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ یعنی اس سوال میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ کی صورت کا تعین درکار ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انسانوں کی تخلیق میں فرق و امتیازات:

مندرجہ بالا تین سوالات کا جواب یہ ہے کہ جب تک کائنات کی تخلیق اور تشکیل

پانے کا منظر سامنے نہ آئے۔ کہ وہ کب اور کس طرح ظہور میں لائے گئے تھے۔ اس وقت تک ان سوالات کا اطمینان بخش اور قابل فہم حل سامنے نہیں آتا اور جب تک کائنات کی تخلیق کے آغاز کا منظر سامنے نہیں آجاتا ہے جو آج سے لاکھوں' کروڑوں سال پہلے ظہور میں آیا تھا اور جب وہ منظر سامنے آجاتا ہے...... حضور اکرم ﷺ کے وجود کی تخلیق کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ تو اللہ کی قسم! یہ اتنا انوکھا اور روح افزاء منظر ہے کہ اس کے مشاہدہ سے اہل قلم کے قلم حیرت سے رک جائیں۔ اہل علم کا علم معدوم ہو جائے...... اہل تفکر کی فکر کی پرواز دم توڑ دے...... حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں ثنا خواں اپنی نعتوں کو حضور کی شان سے دور اور بہت دور نیز بہت ہی نیچا پا کر ممکن ہے حضور اکرم ﷺ کی شان کی نعت کو نئے زاویوں سے اور نئے تقاضوں کے مطابق موزوں کریں...... اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی اعلیٰ وارفع تخلیق کی شہادت و دلیل نص قرآنی یعنی علمی لحاظ سے سامنے آجاتی ہے...... اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے۔ اور مشائخ عظام کی عنایات ہیں کہ وہ منظر حروف والفاظ کی قید میں آچکا ہے۔ جس کا اجمال گذشتہ صفحات میں ثم دنی اور فتدلی کی تشریح کے دوران بیان ہو چکا ہے۔ جس میں حضور اکرم ﷺ کی تخلیق و پیدائش اور دیگر انسانوں کی تخلیق و پیدائش کے درمیان فرق اور امتیاز واضح ہے سے چند باتیں نیچے درج ہیں:

پہلا فرق وامتیاز:

☆ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے وجود کی تخلیق' کائنات کے دائرہ اول کے مرکزی مقام "افق مبین" پر ہوئی تھی۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی تخلیق کائنات کے دائرہ دوم کے مرکزی مقام "عرش عظیم" پر ہوئی تھی۔

☆ بنی نوع انسان کے وجود کی تخلیق کائنات کے دائرہ سوم کے مرکزی مقام "کرہ ارض" پر ہوئی تھی۔

نوٹ: پہلا دائرہ سب سے اوپر ہے...... دوسرا دائرہ اس کے نیچے ہے...... اور تیسرا دائرہ دوسرے دائرہ کے متوازی لیکن زیر عرش تک ہے۔

دوسرا فرق و امتیاز:

☆ حضور ﷺ کے وجود کا قالب تدلّٰی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مجموعی صفات کا جلوہ ہے اور بصورت قالب ہے اور یہ قالب نوری وجود ہے۔[1]

☆ حضرت آدم علیہ السلام کا قالب عناصر کا مجموعہ ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قالب کا عکس ہے۔

☆ بنی نوع انسان کا قالب حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کا ظل (خلاصہ) ہے۔

تیسرا فرق و امتیاز:

☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قالب مقام ظہور تدلّٰی سے نیچے آیا تھا...... اور روح مقام افق اعلیٰ سے اوپر گئی تھی...... دونوں نوری وجودوں کا اتصال مقام افق مبین پر ہوا تو عبد ظہور میں آیا تھا جو **ثم دنی فتدلی** کا مفہوم ہے۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کا قالب مقام **اسفل سافلین** یعنی کرہ ارض سے اوپر اٹھایا گیا تھا...... اور روح کو مقام (عالم اوراح) سے نیچے لا کر مقام عرش عظیم پر قالب میں داخل کیا گیا تھا۔ جس سے وجود آدم ظہور میں لایا گیا پھر کرہ ارض پر اتارا گیا تھا۔ جو **ثم رددنه اسفل سافلین** کا مفہوم ہے۔

☆ بنی نوع انسان کے قالب کو والدہ کے بطن میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کی روح کو والدہ کے بطن میں موجود قالب کے اندر داخل کیا جاتا ہے پھر اس وجود کو کرہ ارض پر ڈال دیا جاتا ہے۔

چوتھا فرق و امتیاز:

☆ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روح کی روشنی سے **قوس دنی** ظہور میں آنے والی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قالب سے **قوس تدلّٰی** ظہور میں آنے والی ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ کا قالب اور روح دونوں باہم

---

[1] گذشتہ صفحات میں روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبدا شان علم بیان ہوا اور قالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبداء اللہ تعالیٰ کی مجموعی صفات کا جلوہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ مجموعی صفات میں شامل ہوں اللہ تعالیٰ کی شیون بھی جس کی وجہ سے قالب اعلیٰ ہے۔ کیونکہ روح صرف شان علم کی مظہر ہے۔

اتصال کرتے ہیں تو اسی لمحہ دونوں قوسوں کا آپس میں اس طرح ملاپ ہوتا ہے کہ روشنی ایک دائرہ بن جاتا ہے...... وہ روشنی کا دائرہ ہی کائنات کا دائرہ اول ہے جس کے مرکزی مقام پر حضور اکرم ﷺ کا وجود قائم ہوا۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کے وجود سے کائنات ظہور پذیر ہوئی۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود اس وقت بنایا گیا جس کائنات کا دائرہ دوم مکمل ہوا چاہتا تھا...... دائرہ دوم کی آخری اینٹ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ہے جن کا قالب، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قالب کا پرتو ہے اور جن کا روح حضور اکرم ﷺ کے روح کا پرتو ہے...... نیز دائرہ دوم دائرہ اول کا پرتو ہے۔

☆ بنی نوع انسان کی تخلیق والدہ کے رحم میں طے پاتی ہے جس کا اسلوب وہی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا اسلوب ہے...... بنی نوع انسان کی تخلیق دائرہ سوم کی تکمیل کا باعث ہے۔ آدمؑ کی روح کو عرش پر قالب میں داخل گیا تھا۔ لیکن بنی نوع انسان کی روح کو ماں کے پیٹ میں داخل کیا جاتا ہے۔ گویا ماں کا پیٹ عرش کا قائمقام ہے

پانچواں فرق وامتیاز:

☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود افق مبین سے نزول کر کے عرش عظیم پر اتر آیا تھا۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کو عرش عظیم سے پہلے جنت میں پھر کرہ ارض پر اتارا گیا تھا۔

☆ بنی نوع انسان کو والدہ کے پیٹ سے زمین پر اتارا جاتا ہے۔

چھٹا فرق اور امتیاز:

☆ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا وجود باعثِ تخلیقِ کائنات ہے۔ اس لیے ابو الکائنات ہے۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود باعث تخلیق بنی آدم ہے۔ اس لیے ابو البشر ہے۔

☆ بنی نوع آدم کا وجود باعث تخلیق اعمال ہے۔اس لیے ابو الاعمال ہے۔

ساتواں فرق وامتیاز:

☆ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا اعزاز ان ھو الا وحی یوحی ہے اور علوم میں علمه شدید القوی ہیں۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کا اعزاز انی جاعل فی الارض خلیفه ہے اور علوم میں علم آدم الاسماء کلها ہیں۔

☆ بنی نوع انسان کا اعزاز علمه البیان ہے اور علوم میں الرحمٰن علم القرآن ہیں۔

مندرجہ بالا صفحات پر مشتمل عبارت، سورہ نجم کی چند آیات کی تفسیر ہے جو حقائق کونیہ کے لحاظ سے لکھی گئی ہے اگر تفسیر کا یہ رخ اس عاجز و مسکین ابن فقیر حبیبی پر اللہ تعالیٰ روشن نہ کرتا تو آج حضور اکرم ﷺ کے مذکورہ بالا کمالات کو بیان نہ کر پاتا تو ثناء خوانوں میں شاید نام نہ ہوتا...... اللہ تعالیٰ کی عنایات و نوازشات پر راقم شکر ادا کرنے سے عاجز اور محض عاجز ہے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ اس طویل خط کے مطالعہ سے ضرور محظوظ ہوں گے اور جن حقائق کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا ان کے بارے میں مطلع بھی فرمائیں گے۔

والسلام

حبیبی

نور علی نور اکیڈمی

---

1 مندرجہ بالا فرق اور امتیازات کی تفصیل کے لیے کتاب ''سفر تخلیق'' کے مندرجہ ذیل صفحات کا مطالعہ سے مزید مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔

1- صفحات 180 تا 183 (کائنات کا دائرہ اول کس طرح تشکیل پایا)

2- صفحات 201 تا 211 (اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج ''دنی'' کو بیان کیا جاتا ہے)

بسمہٖ تعالیٰ

محترمی جناب سرور اعوان صاحب

سلام مسنون!

چند روز پہلے پاکستان ٹی وی کی صبح کی نشریات میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے جہاد کے بارے خطاب سے مستفیض ہونے کا موقعہ ملا۔

ڈاکٹر صاحب کا بیان بہت جامع اور پر تاثیر تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فکرِ دین میں روز افزوں اضافہ فرمائے۔ آمین!

خطاب کے آخر میں سوال و جواب کے دوران ایک صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث کی وضاحت چاہی تھی جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کیا

جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے بڑا خوبصورت انبساط اور حسین تعبیر بیان فرمائی تھی جو موقع اور محل کے مطابق بہت ہی پسندیدہ اور عمدہ تھی کہ جہاد اکبر سے مراد مدینہ منورہ میں رہائشی منافقین سے نبرد آزما ہونا ہے...... اکثر حضرات نے جہاد اکبر سے مراد نفس سے جہاد ہے۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نفس سے جہاد کی بجائے ایک اور جہاد کی خبر دی ہے۔ جو بہت باریک اور لطیف ہے...... امید ہے ڈاکٹر صاحب اس کے مطالعہ سے خوب لطف اٹھائیں گے اور ان کی وساطت سے دوسرے بھی مستفیض ہوں گے:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ علیہ اپنے فرزند کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ کو ایک مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں:

''جاننا چاہیے کہ (نفس) مطمئنہ شرح صدر حاصل ہونے کے بعد جو ولائت کبریٰ کے لوازم سے ہے' اپنے مقام سے عروج فرما کر تخت صدر پر چڑھ جاتا ہے...... اور وہاں تمکین و سلطنت حاصل کر لیتا ہے اور ممالکِ قرب پر غلبہ پالیتا ہے...... یہ تخت صدر حقیقت میں ولائت کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے برتر ہے...... اس تخت پر چڑھنے

والے کی نظر البطن بطون کی طرف نفوذ کرتی ہے اور غیب الغیب میں سرائت کر جاتی ہے۔۔۔۔۔۔
ہاں جو شخص بہت اونچے مکان پر چڑھ جائے اس کی نظر بہت دور تک نفوذ کر جاتی ہے۔ اور نفس مطمئنہ کی تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس سے مل جاتی ہے اور ''عقل معاد'' نام پاتی ہے اور دونوں اتفاق بلکہ اتحاد سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اے فرزند! نفس **مطمئنہ** کے لیے اب مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی اور پورے طور پر مقصود کے حاصل کرنے کے درپے ہے۔۔۔۔۔۔ رضائے پروردگار کے سوا اس کا کوئی ارادہ نہیں اور حق تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کے سوائے اس کا کچھ مطلب نہیں۔۔۔۔۔۔ **سبحان اللہ!** وہ امارہ جو اول بدترین خلائق تھا۔ اطمینان اور حضرت سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالم امر کے لطائف کا رئیس ہو گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا۔

مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے کیا سچ فرمایا:

خیار کم فی الجاهلیة خیار کم فی الاسلام اذا فقهوا۔

ترجمہ: ''جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انھوں نے دین سمجھ لیا۔''

اس کے بعد خلاف اور سرکشی کی صورت ہے تو اس کا منشاء اربعہ عناصر کی مختلف طبائع ہیں جو قالب کے اجزاء ہیں۔۔۔۔۔۔ یعنی

☆ اگر قوت غضبیہ ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔۔۔۔۔۔
☆ اور اگر شہویہ ہے تو وہیں سے ظاہر ہے۔۔۔۔۔۔
☆ اور اگر خست و کمینہ پن ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ تمام حیوانات جن میں نفس امارہ نہیں ہے۔ ان کو یہ اوصاف رذیلہ پورے اور کامل طور پر حاصل ہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ مراد اس جہادِ اکبر سے جو حضرت پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ

رَجَعْنَا مِنَ الجِهَادِ الاَصْغَرِ اِلٰی الجهادِ الاَكْبَرِ.

ترجمہ:۔ ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کیا

جہاد بالقالب ہو نہ کہ جہاد بالنفس۔۔۔۔۔۔ جیسے کہ کہا گیا ہے کیونکہ نفس اطمینان تک

پہنچ چکا ہے اور راضی و مرضی ہو گیا ہے۔ پس خلاف و سرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہو گی...... اور اجزائے قالب سے خلاف و سرکشی کی صورت سے مراد ترک اولیٰ اور امور مرخصہ (رخصت والے کاموں) کے ارتکاب اور ترک عزیمت کا ارادہ ہے...... ترک اشیاء محرمہ کے ارتکاب اور ترک فرائض و واجبات کا ارادہ کہ یہ اس کے حق میں نصیب اعداء (دشمناں) ہو چکا ہے۔

اے فرزند! عناصر اربعہ کے کمالات اگرچہ **مطمئنہ** سے برتر ہیں جیسے کہ گزر چکا لیکن **مطمئنہ** چونکہ مقام ولائت سے مناسبت رکھتا ہے اور عالم امر سے ملحق ہوا ہے اس لیے صاحب سکر ہے اور مقام استغراق میں ہے...... اور اسی سبب سے اس میں مخالفت کی مجال نہیں رہی اور عناصر کی مناسبت چونکہ مقام نبوت کے ساتھ زیادہ ہے اس لیے صحو (ہوش) ان میں غالب ہے...... اور اسی لیے بعض منافعوں اور فائدوں کے لیے جوان سے متعلق ہیں مخالفت کی صورت ان میں باقی ہے (فافہم) [1]

محترم اعوان صاحب!

مندرجہ بالا عبارت میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب کے مطابق

☆ جہاد اصغر...... کفار سے جہاد کرنا اور

☆ جہاد اکبر...... سے مراد منافقین سے جہاد کرنا ہے

اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مکتوب کے مطابق کفار سے جہاد کرنا جہاد اصغر اور...... قالب (عناصر اربعہ) سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔

جب جہاد کی مندرجہ بالا درجہ بندی پر غور کیا جاتا ہے تو صورت حال کچھ اس طرح پر واضح ہوتی ہے کہ جہاد دو طرح پر ہے:

1- خارجی جہاد

2- داخلی جہاد

خارجی جہاد...... سے مراد کفار اور منافقین سے جہاد کرنا ہے

---

[1] مکتوب 260، دفتر اول

مترجم:۔ مولانا سعید احمد نقشبندی، ص 599 تا 623 مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی مطبوعہ 1971ء

داخلی جہاد...... سے مراد نفس اور قالب سے جہاد کرنا ہے

جب جہاد کی مندرجہ بالا خارجی اور داخلی جہات پر غور کیا جاتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب کفار سے جہاد کرنا جہاد اصغر ہے تو پھر منافقین سے جہاد صغیر ہے...... اس لیے کہ ان دونوں جہادوں کا تعلق ظاہری اعداء سے ہے۔ لہذا باطنی (داخلی) اعداء یعنی نفس اور قالب سے جہاد پہلے دونوں سے افضل جہاد ہیں...... اس لیے کہ نفس سے جہاد کرنا جہاد کبیر ہے اور قالب سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے استنباط نے جہاد کی چار اقسام وضع کرنے میں مدد فرمائی:

- ☆ جہاد اصغر ...... کفار سے جہاد کرنا
- ☆ جہاد صغیر ...... منافقین سے جہاد کرنا
- ☆ جہاد کبیر ...... نفس سے جہاد کرنا
- ☆ جہاد اکبر ...... قالب سے جہاد کرنا

والسلام

منتظر

حبیبی

باسمہٖ تعالیٰ

گجرات شریف

گرامی قدر جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ نیاز مند حبیبی آپ کی خیریت کا طالب ہے۔اس خط کے ہمراہ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوب 30 دفتر سوم کی فوٹو کاپی منسلک ہے۔جس کی تشریح راقم الحروف نے کی ہے۔

مکتوب کے مطالعہ کے مطابق درجات اور مقامات کے لحاظ سے انسان تین ہیں جن کی ترتیب نیچے اس طرح ہے:

1- انسان ثالث ...... اوپر ہے اور اصل ہے۔
2- انسانِ ثانی ...... درمیان ہے اور اصل کا ظل ہے۔
3- انسانِ اوّل ...... نیچے ہے اور انسانِ ثانی کا ظل ہے اور انسان ثانی انسان ثالث کا ظل ہے۔

گویا انسانِ اول......ظل کا ظل ہے۔

امام ربانی قدس سرہٗ نے مندرجہ بالا عبارت میں انسان اول کو سب سے نیچے...... انسان ثانی کو اس کے اوپر...... اور انسان ثالث کو ثانی کے اوپر بیان کیا ہے...... یعنی انسانوں کے تین درجات کے علاوہ ان کے مقامات بھی الگ الگ ہیں......امام ربانی قدس سرہٗ نے پہلے ظل کے ظل کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے اصل یعنی انسانِ ثانی میں فنا اور بقا حاصل کرتا ہے...... پھر انسانِ ثانی سے انسانِ ثالث میں فنا و بقا حاصل کرتا ہے...... گویا یہ سفر ظل سے شروع ہو کر اصل تک جاتا ہے۔یعنی یہ بات نیچے سے اوپر یعنی یہ ترتیب سفر عروج میں واقع ہوتی ہے۔

یہ بات قابلِ فکر ہے کہ جب تک اصل نہ ہو اس کا ظل (سایہ) نہیں ہو سکتا......تو معلوم ہوا سب سے پہلے اور سب سے اوپر اصل قائم ہوا تھا...... پھر اس کا ظل...... پھر اس ظل کا ظل ظہور میں لایا گیا......تو معلوم ہوا تخلیق کا سفر اوپر سے شروع ہوا تھا اور پھر نیچے کی طرف آیا تھا......تو سفر تخلیق جو بلندی سے پستی کی جانب ہے کے لحاظ سے ترتیب یوں ہے:

1- انسانِ اول ...... سب سے اوپر ہے جو اصل ہے۔
2- انسانِ ثانی ...... انسان اول کے نیچے ہے اور اس کا ظل ہے۔
3- انسانِ ثالث ...... انسان ثانی کا ظل ہے۔ انسان ثالث ظل کا ظل ہے

جب انسان کے مندرجہ بالا تین مقامات پر غور کیا جاتا ہے کہ یہ مقامات کہاں کہاں واقع ہیں۔ تو پھر ہمیں کائنات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اور دیکھنا پڑتا ہے کہ وہ مقامات کہاں پر واقع ہیں۔ جب اس رخ سے کائنات کے مطالعہ کے لیے کائنات کی ہیئت ونقشہ کی ضرورت پڑتی ہے...... یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ مکتوب نمبر 31 دفتر سوم میں کائنات کا پورا نقشہ بیان کر دیا گیا ہے...... پہلے مکتوب نمبر 30 کا مطالعہ کریں جس کا مفہوم اوپر درج ہے اس کے بعد مکتوب نمبر 31 کا مطالعہ فرمائیں:

مکتوب نمبر 30

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا [1]

مراتب اصول اور مراتب عبادات کے عروج کے بیان میں

الحمد للہ رب العلمین و الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین.

پایہ آخر آدم است و آدمی
گشت محروم از مقامِ محرمی [1]
گر نہ گردد باز مسکین زیں سفر
نیست از وے ہیچ کس محروم تر [2]

جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس کو اپنے اصل سے جو کہ اوپر کے اصل کا ظل ہے......عروج حاصل ہوتا ہے تو ہر اصل میں اصول اول سے اس کو اصل میں فنا ہے اور اس کے بعد اس اصل کے ساتھ بقا ہے......اور اس فنا اور بقا سے اس کی انا کا اطلاق زائل ہو کر اصل پر کہ اس کو اس میں فنا اور بقا حاصل ہوئی ہے اطلاق پائے گا......اور اپنے آپ کو وہی اصل سمجھے گا......اور اسی طرح جب اس اصل سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کو عروج واقع ہوگا تو وہ اصل جو اس اصل کے اوپر ہے......اور وہ اصل اس اصل کا ظل ہے تو اس پہلے اصول کی فنا و بقا کو اس اصل ثانی میں حاصل کرے گا......اور انا کا اطلاق اصل اول سے زائل ہو کر اصلِ ثانی سے مل جائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصلِ ثانی پائے گا اور اصلِ ثانی کی اصل ثالث سے یہی نسبت ہوگی......اگر عروج واقع ہوگا تو انا کا اطلاق اس اصل ثالث پر قرار پائے گا۔ کہ اصل ثانی اس کا ظل ہے......اور اسی طرح ہر نچلے اصل میں جو کہ اوپر کے

---

[1] سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص خلیفہ ہیں۔

[1] انسان کا مرتبہ سب سے اونچا ہے لیکن انسان اس محرم راز ہونے کے مقام سے محروم ہو چکا ہے۔

[2] اگر یہ مسکین محرومی کے اس سفر سے واپس نہ لوٹا تو پھر اس سے محروم تر اور کوئی نہیں۔

اصل کے ظل کی طرح ہے۔ یہی نسبت ثابت ہے...... اگر اس کو محض فضل خداوندی سے عروج واقع ہو اور ظل سے اصل پر لے جائیں' تو انا کا اطلاق اس اصل پر قرار پائے گا اور اپنے آپکو وہی اصل سمجھے گا استعداد کے درجات کے مختلف ہونے پر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے۔

اور یہ اصول اس کثرت اور اس رفعت کے باوجود اس کے اجزا ہو جائیں گے اور قطرہ کو دریا بنا دیں گے اور تنکے کو پہاڑ کر دیں گے...... اور جب یہ اصول اس کے اجزا ہوں گے تو لازماً اُن کے کمالات و برکات بھی اس کا پورا حصہ ہو جائیں گے۔ اور اس کا کمال ان اجزاء کا جامع کمالات ہو گا۔

اس جگہ سے انسان کامل اور باقی افرادِ انسانی کے درمیان فرق پہچانا جاتا ہے...... کہ وہ بحرِ محیط ہے اور یہ اس دریا کے حقیر قطروں کی طرح ہیں...... پس یہ اس کو کیا پہچان سکیں گے اور اس کے کمال کو کیا پاسکیں گے...... کسی نے کیا اچھا کہا ہے:

"الٰہی یہ کیا معاملہ ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کو ایسا بنایا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا ہے تجھ کو پالیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا"۔

اور جس طرح انسان کامل اور انسان ناقص میں کثرت وقلت اجزا کا فرق ہے...... ان کی طاعات وحسنات میں بھی اسی اندازہ کے مطابق فرق ہے...... ایک آدمی جس کو سوزبان دے دیں اور وہ ہر زبان سے خدا تعالیٰ کی یاد کرے' وہ اس شخص سے کیا نسبت رکھتا ہے جس کو ایک زبان دیں اور وہ ایک زبان سے خدا تعالیٰ کی یاد کرے...... ایمان اور معرفت اور باقی تمام کمالات کو بھی اسی معنی پر قیاس کرنا چاہیے۔

اے ہمارے رب! ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے...... یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

الحمد للّٰہ رب العالمین اولا و آخر والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ دائما وعلیٰ الہ الکرام و صحبه العظام الیٰ یوم القیام.

مکتوب نمبر 31

ملا بدرالدین کی طرف صادر فرمایا [1]

عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجساد کے بیان میں

الحمد للّٰہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی.

آپ نے لکھا ہے کہ "روح بدن کے تعلق سے پہلے عالم مثال میں تھی اور بدن سے علیحدگی کے بعد بھی عالم مثال میں چلی جائے گی...... پس عذابِ قبر عالم مثال میں ہوگا اس درد کی طرح جو خواب میں عالم مثال میں محسوس ہوتا ہے...... اور یہ بھی لکھا ہے کہ "یہ بات بہت سی شاخیں رکھتی ہے۔ اگر آپ منظور فرمائیں تو بہت سی فروعات اس بات پر متفرع کر سکتا ہوں۔"

جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات میں صداقت بہت کم ہے ایسا نہ ہو کہ تمہیں غیر معروف راہ پر ڈال دیں۔ ضرورت کی وجہ سے چند کلمے موانعات کے باوجود اس بحث میں لکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

اے بھائی! عالم ممکنات کو صوفیاء نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

☆ عالم ارواح ☆ عالم مثال ☆ عالم اجساد

ارواح ہے

مثال کو عالم اور عالم اجساد کے درمیان برزخ (پردہ) کہا ہے...... اور یہ بھی کہا ہے کہ عالم مثال ان دونوں عالموں کے حقائق و معانی کے لیے آئینہ کی طرح ہے کہ ارواح و اجساد کے حقائق و معانی عالم میں لطیفہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں...... کیونکہ اس جگہ ہر معنی و حقیقت کے مناسب دوسری صورت و ہیئت ہے...... اور وہ عالم (مثال) بذات خود صورت و ہیئت و اشکال کا متضمن نہیں ہے۔ صور و اشرع اس میں دوسرے عالم سے منعکس

---

[1] ملا بدرالدین امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص خلیفہ ہیں۔

ہو کر ظہور پاتے ہیں...... اس کی مثال آئینے کی طرح ہے۔ جو بذات خود کسی صورت کا متضمن نہیں ہے اگر اس میں کوئی صورت موجود ہے تو وہ باہر سے آئی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب جاننا چاہیے کہ روح بدن کے تعلق سے پہلے اپنے عالم میں تھی جو عالم مثال سے اوپر ہے...... اور بدن سے تعلق رکھنا اگر اس نے نیچے اتر کر عالم اجساد سے تعلق قائم کیا ہے اور محبت کی وجہ سے نیچے آئی ہے تو اس کا عالمِ مثال سے کوئی کام نہیں ہے۔ نہ تعلق سے پہلے اور نہ تعلق کے بعد...... اس سے زیادہ نہیں ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے بعض حالات کو عالمِ مثال کے آئینہ میں مطالعہ کرتا ہے اور احوال کے حسن وقبح کو اس جگہ سے معلوم کر لیتا ہے...... چنانچہ کشف اور خواب میں یہ معنی واضح ہو جاتے ہیں...... اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حس سے غائب بھی نہیں ہوتا اور اس معنی کا احساس کر لیتا ہے...... اور بدن سے علیحدگی کے بعد اگر روح علوی ہے تو اوپر کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اگر سفلی ہے تو نیچے کی طرف، عالم مثال سے اس کا کوئی کام نہیں ہے...... اور عالمِ مثال دیکھنے کے لیے ہے نہ کہ رہنے کے لیے رہنے کی جگہ "المِ ارواح" ہے یا عالمِ اجساد۔ عالم مثال ان دونوں عوالم کے آئینہ کی حیثیت سے زیادہ نہیں رکھتا جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

اور وہ تکلیف جو خواب میں عالمِ مثال میں محسوس ہوتی ہیں، وہ اس سزا کی صورت وشباہت ہے جس کا دیکھنے والا مستحق ہے، اور تنبیہ کے لیے اس پر اس معنی کو ظاہر کیا ہے...... اور عذابِ قبر اس جنس سے نہیں ہے کہ وہ سزا کی حقیقت ہے کہ اس کی صورت وتشبیہ...... اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ تکلیف جو خواب میں محسوس ہوتی ہے۔ اگر بالفرض یہ حقیقت بھی رکھتی ہو تو وہ دنیوی تکالیف کی قسم سے ہوگی...... اور عذاب قبر عذاب اخروی ہے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ دنیوی عذاب کو اخروی عذاب سے (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) نسبت نہیں اور اگر دوزخ کی آگ کا ایک شرارہ دنیا میں گر پڑے، تو ساری دنیا کو جلا دے اور نیست ونابود کر دے...... عذاب قبر کو خواب کے رنگ میں جاننا عذاب کی ناواقفی کی بنا پر ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ اس شبہ کا منشا یہ وہم ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہم جنس ہے اور یہ باطل ہے اور اس کا بطلان ظاہر ہے۔

سوال:

آیت کریمہ

رَبِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا سے معلوم ہوتا ہے کہ

تَوَفِّیْ اَنْفُس نفس کی موت

جس طرح موت میں ہے، خواب میں بھی ہے...... پھر ایک کے عذاب کو دنیا کا عذاب کہنا اور دوسری کے عذاب کو آخرت کا عذاب کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب:

☆ تُوَفِّیْ نَوْم نیند کی موت

اس جنس سے ہے کہ کوئی آدمی اپنے وطن مالوف سے اپنے شوق ورغبت سے سیرو تماشہ کے لیے باہر آئے تا کہ خوشی اور سرور حاصل کرے اور پھر خوش وخرم اپنے وطن کو واپس آئے اور اس کی سیر گاہ عالمِ مثال ہے کہ ملک وملکوت کے عجائبات کا متضمن ہے۔

☆ تَوَفِّیْ مَوْت موت کی وفات

اس طرح نہیں ہے کہ اس میں آباد مکان کو خراب کرنا اور وطن مالوف کو برباد کرنا ہے...... یہی وجہ ہے کہ **توفی نوم** میں محنت اور کلفت حاصل نہیں ہے بلکہ وہ خوشی وسرور کی متضمن ہے اور **توفی موت** میں شدت وکلفت ہے...... پس نیند میں فوت ہونے والے کا وطن دنیا ہے اور اس کے ساتھ جو معاملہ کرتے ہیں وہ دنیا کے معاملات سے ہے۔ اور موت سے وفات پانے والے اپنے وطن مالوف کو خراب کرنے کے بعد آخرت میں انتقال کرتا ہے۔ اور اس کا معاملہ آخرت کا معاملہ ہو چکا۔

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ (جو آدمی مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی)

مکتوب نمبر 31 دفتر سوم تمام شد

مکتوب نمبر 31 دفتر سوم کے مطالعہ سے کائنات کا جو نقشہ ذہن میں ابھرتا ہے وہ یوں ہے:

نوٹ: عالم ارواح کو اگر دائرہ کی صورت میں تصور کر لیا جائے...... اس طرح دوسرے عالم مثال اور عالم اجسام کو بھی دائرے ہی تصور کر لیا جائے۔ تو پھر کائنات کی

ہیئت کے نقشہ کی صورت اوپر نیچے تین دائرے بن جاتے ہیں۔ نقشہ 1

عالم ارواح
یعنی
o
دائرہ اوّل
عارضی قیام گاہ ارواح

عالم مثال
یعنی
o
دائرہ درمیان
آئینہ کائنات
جس میں صورتیں نظر آتی ہیں

عالم اجساد
یعنی
o
دائرہ دوم
عارضی قیام گاہ اجسام
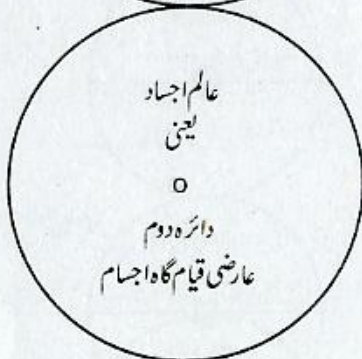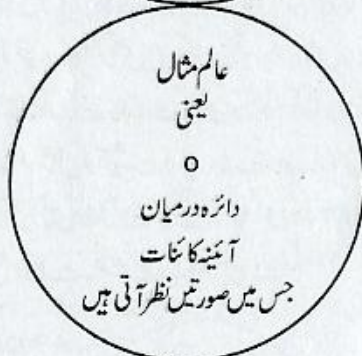
امام ربانی قدس سرہ نے عالم مثال کو عالم ارواح کے نیچے اور عالم اجساد کے اوپر یعنی عالم مثال کو ان دونوں کے درمیان بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ان میں فرق بیان کیا ہے۔ جو درج ذیل ہے:

عالم ارواح روحوں کے رہنے کی جگہ ہے اور...... عالم اجساد جسموں کے رہنے کی جگہ ہے۔لیکن عالم مثال رہنے کی جگہ نہیں یہ آئینہ کی طرح ہے...... جس طرح آئینہ میں عکس نظر آتے ہیں اس میں رہنے کی جگہ نہیں ہوتی اسی طرح عالم مثال بھی ایک آئینہ ہے۔جس میں عالمِ ارواح اور عالم اجساد کے عکس دیکھے جاتے ہیں...... اس سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ رہنے کے قابل صرف دو عالم ہیں:

☆ عالم ارواح ☆ عالم اجساد

مندرجہ بالا رہنے کے قابل دو جہانوں کے علاوہ ایک اور جہاں بھی ہے۔اور وہ عالم آخرت ہے۔ جو دائمی رہائش گاہ ہے۔جبکہ عالم ارواح اور عالم اجساد دونوں عارضی قیام گاہیں ہیں۔اس عالم آخرت کا ذکر بھی اس مکتوب نمبر 31 میں ہے۔

جب اس نقطہ نظر سے کائنات کی ہیئت کو دیکھا جاتا ہے کہ قیام کے لیے تین دائرے ہیں...... پھر عالم مثال کو بحیثیت آئینہ جانتے ہوئے اس کو نقشہ سے حذف کرنا پڑتا ہے تا کہ رہائش کے قابل تین دائرے سامنے آ جائیں...... لہٰذا عالم مثال کو حذف کرنے کے بعد نقشہ یوں واضح ہوتا ہے۔نقشہ 2 درج ذیل ہے:
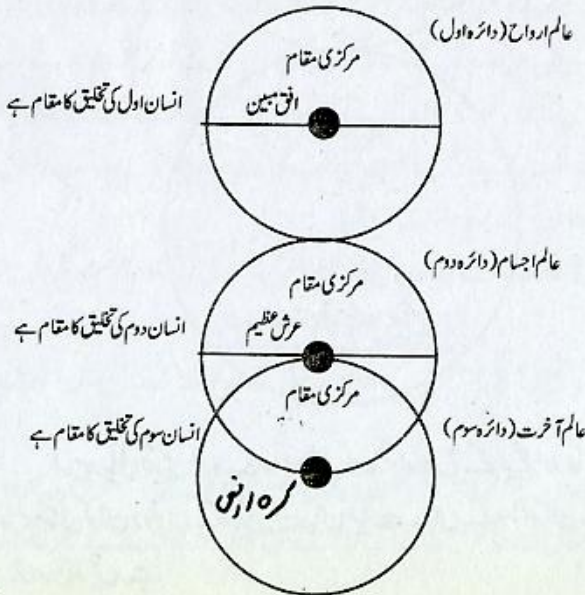
مندرجہ بالا نقشہ میں کائنات کو ان تین دائروں میں ظاہر کیا گیا ہے جو قابلِ قیام ہیں۔ لیکن ان میں سے دائرہ سوم یعنی عالم آخرت' آدھا دائرہ دوم میں واقع نظر آتا ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت عالم آخرت کا حصہ ہے۔ لیکن وہ اس طرح واقع ہے کہ اس کی چھت عرش عظیم ہے۔ گویا جنت عرش کے نیچے واقع ہے۔ اور عرش دائرہ دوم کا مرکزی مقام ہے...... اس لیے دائرہ سوم کو دائرہ دوم کے نچلے نصف حصہ میں دکھایا گیا ہے۔

مندرجہ بالا نقشہ میں کائنات کی ہیئت واضح ہو چکی ہے۔ جس سے کائنات کے تین دائرے اور ان کے مرکزی مقام جدا جدا واضح کر دیئے گئے ہیں۔

جب انسان کو درجات کے مطابق مقامات میں دیکھا جاتا ہے تو صورت حال کچھ اس طرح واضح ہوتی ہے:

☆ انسان اول...... جو اصل ہے' اس کا مقام کائنات کے دائرہ اول کا مرکزی مقام "افق مبین" ہے۔

☆ انسان دوم...... جو اصل کا ظل ہے۔ اس کا مقام کائنات کے دائرہ دوم کا مرکزی مقام "عرش عظیم" ہے۔

☆ انسان سوم...... جو انسان دوم کا ظل ہے اس کا مقام کائنات کے دائرہ سوم کا مرکزی مقام "کرہ ارض" ہے۔

مندرجہ بالا تین دائروں اور ان کے مرکزی مقامات کی وضاحت کچھ یوں ہے:

(۱)

یہ بات تمام اہل علم کے علم میں ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش عرش عظیم پر ہوئی تھی۔ پھر اسی جگہ پر حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت سے سرفراز کیا گیا۔ اس جگہ پر ہی سجدہ کرایا گیا تھا۔ ان باتوں پر قرآنِ کریم شاھد ہے۔

(۲)

دوسری بات بھی تمام اہل جہاں پر روشن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کرہ ارض پر پیدا ہو رہی ہے جو عرش سے نیچے واقع ہے۔ تو ان دو باتوں سے یہ نتیجہ اخذ ہو جاتا ہے:

☆ بنی نوع آدم کی پیدائش کا مقام کرہ ارض ہے۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا مقام عرش ہے۔

جب مندرجہ بالا دو مقامات انسان کے دو درجات کے مطابق معلوم ہو چکے ہیں تو اب تیسرے انسان یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کے لیے یقیناً

وہ مقام ہے جو دائرہ اول کا مرکزی مقام افق مبین ہے' جو سب سے اوپر ہے۔

تفصیل:۔ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کا آغاز فرمایا تو سب سے پہلے کائنات کا دائرہ اول پیدا کیا۔ جس کا ذکر سورہ نجم کی آیات 8 اور 9 میں ہے:

8- ثم دنیٰ فتدلیٰ 9- فطان قاب قوسین او ادنیٰ

وضاحت:۔

یعنی دنی فتدلی (دنیٰ سے مراد روح محمدی...... اور تدلی سے مراد قالب محمدی ہے) جن کے اتصال سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افق مبین کے مقام پر بصورتِ عبد ظہور میں آ گئے تھے۔

نیز قاب قوسین (قوسین سے مراد دو قوسین ہیں) کے اتصال سے کائنات کا دائرہ اول جو عالم ارواح ہے' قائم ہو گیا تھا۔[1]

جس طرح انسان اول کا وجود اصل ہے۔ اسی نسبت سے کائنات کا دائرہ اول بھی اصل ہے...... جس طرح انسان دوم کا وجود ظل ہے اسی طرح کائنات کا دائرہ دوم بھی دائرہ اول کا ظل (سایہ) ہے...... جس طرح انسان سوم ظل کا ظل ہے۔ اسی طرح کائنات کا دائرہ سوم بھی ظل کا ظل ہے...... لیکن اس سے مراد وہ دائرہ ہے جو اس وقت موجود ہے' لیکن جو قیامت کے بعد قائم ہو گا تو اس کی صورت بدل جائے گی۔ وہی اصل اور دائمی ہے۔[2]

انسان اول سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود عبد ہے۔ جو افق مبین پر ظہور میں آیا تھا۔ اور یہ دائرہ اول کا مرکزی مقام ہے...... انسان دوم سے مراد وجود آدم ہے جسے عرش پر پیدا کیا گیا جو دائرہ دوم کا مرکزی مقام ہے...... انسان سوم سے مراد بنی نوع آدم ہے...... جو آدم کے اور حوا دونوں کا ظل ہے جسے زمین پر پیدا کیا جاتا ہے۔ اور کرہ ارض دائرہ سوم کا مرکزی مقام ہے۔

مندرجہ بالا مکتوب اور اس کی تشریح سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ کہ آج کے تمام سائنسدانوں کے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گویا

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "عظیم سائنسدان" ہیں

اور سائنسدانوں کے رہنما بھی ہیں

جنہوں نے کائنات اور انسان کی تخلیق کے رازوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

---

[1] سفر تخلیق ص 180 [2] سفر تخلیق ص 180 تا 183 [3] سفر تخلیق ص 184

اِستفتاء

درحقیقت حضور ﷺ کے قالب اور رُوح کے الگ الگ انوکھے کمالات زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ جو ... فیصلہ طلب ہیں کہ کون ... افضل اور ... اعلیٰ ہے۔ لہٰذا عرب وعجم کے ہر مکتبہءِ فکر کے علماء، مفکرین، محققین اور سکالر حضرات سے التماس ہے کہ اپنا فتویٰ (تحقیق) جاری کریں ....

سب سے عمدہ فتویٰ صادر کرنے والے محترم کو مبلغ دس ہزار روپے نقد بطور انعام پیش کیئے جائیں گے۔

محمد رمضان مفتی

تصانیف

1۔ اسرارِ حبیب (حالات زندگی مولانا سید محمد حبیب اللہؒ)

2۔ استفسارات در اسرار حبیب

حصہ اوّل بر تحقیق دائرہ کائنات دوم

حصہ دوم بر تحقیق دائرہ کائنات اول

حصہ سوم بر تحقیق دائرہ کائنات سوم

3۔ حقائق سفرِ معراج

4۔ سفرِ تخلیق (انسان وکائنات وآدم)

5۔ حضور ﷺ بحیثیت وزیر اعظمِ کائنات

نور، علےٰ نور اکیڈمی

معرفت علی میڈیسن ٹریڈرز D/8 گوہر پلازہ جی۔ٹی روڈ گجرات